اس شمارے میں

حرفِ اوّل

فکر اقبال تنقید کی زد میں! حافظ عاطف وحید 2

مطالعہ قرآن حکیم

سورۃ البقرۃ (آیات ۱۱۳ تا ۱۲۳) ڈاکٹر اسرار احمد 3

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی و نحوی تشریح لطف الرحمٰن خان 14

حکمت نبوی ﷺ

مکارم اَخلاق پروفیسر محمد یونس جنجوعہ 32

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد اور قتال سید محمد علی 37

توضیح و تنقیح

عقیدۂ ابنیت مسیحؑ محمد شوکت ایاز علی 56

کتاب نما

تعارف و تبصرۂ کتب پروفیسر محمد یونس جنجوعہ 64

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ
خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم
مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد
مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
حافظ عاطف وحید۔ حافظ محمد زبیر
پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی ۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ ۔ فروری ۲۰۰۷ء شمارہ ۲

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-5869501
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے
انڈیا 700 روپے۔ ایشیا، یورپ، افریقہ: 1100 روپے۔ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: 1400 روپے

حرف اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکرِ اقبال تنقید کی زد میں!

بعض معاصر علمی جرائد (ماہنامہ ''ساحل'' کراچی، ''جریدہ'' کراچی اور ''احیائے علوم'' لاہور) میں آج کل فکرِ اقبال موضوعِ سخن ہے۔ خاص طور پر خطباتِ اقبال کے بعض مباحث پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ علامہ اپنے ان افکار سے رجوع کر چکے تھے اور خطبات پر نظرِ ثانی کا ارادہ رکھتے تھے لیکن انہیں اس کا موقع نہیں مل سکا۔ علامہ کا نظریۂ 'اجتہاد' غالباً اس بنا پر زیادہ کڑی تنقید کا نشانہ بنا ہے کہ اس میں ناقدین کو وہ قوت مضمر نظر آتی ہے جو روشن خیال مفکرین کے لیے اسلام کے جدید ماڈل کی تعمیر میں مددگار بن سکتی ہے۔ خطبات میں علامہ چونکہ اجتہادِ مطلق کے مؤید نظر آتے ہیں اور اس پر مستزاد عمل اجتہاد میں جمہوری طریق کے قائل بھی ہیں اس لیے اس اندازِ فکر کو ہمارے روایتی علمی حلقوں میں انتہائی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ہم علامہ پر ہونے والی تنقیدوں کے نہ حلیف ہیں نہ کلی طور پر حریف' ہاں اس قدر عرض کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ علامہ کے بارے میں اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ وہ معصوم عن الخطا تھے اور ہر معاملے میں صائب الرائے تھے تو وہ غلطی پر ہے۔ اور اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ وہ اسلامی علوم سے بے بہرہ' قرآن سے لاعلم اور عربی زبان وادب سے ناواقف تھے تو یہ اس کا مغالطہ بھی ہے اور صریح زیادتی بھی۔ علامہ کے بارے میں یہ جان لینا چاہیے کہ وہ بنیادی طور پر مفکر اور فلسفی تھے نہ کہ مروّجہ معنی میں عالم دین۔ اسی لیے علامہ کا اندازِ فکر روایتی علمی اسالیب سے کافی مختلف تھا۔ انہوں نے خطبات میں مغرب کے سامنے اسلام کا جو مقدمہ پیش کیا وہ اُسی پیرائے میں تھا جس سے مغرب کے اہلِ علم خوب واقف تھے۔ اس بنا پر ان کی بہت سی آراء کے بارے میں روایتی علمی حلقے شدید نوعیت کی غلط فہمی کا شکار بھی ہوئے۔

'اجتہاد بذریعہ پارلیمنٹ' کے مالۂ وما علیہ سے قطع نظر آج تک یہ بات کثیر المسلکی اور مختلف الصفات معاشروں میں سوالیہ نشان ہی بنی ہوئی ہے کہ کس کا اجتہاد نافذ ہوگا؟ اجتہاد کون کرے گا.... پارلیمنٹ یا وہ مجتہدین جو رسوخ فی العلم رکھتے ہیں؟...اس پر تو ایک نزاع پیدا کر لیا گیا ہے' لیکن اس بات کا جواب کس کے پاس ہے کہ ''کس کا اجتہاد بالفعل نافذ ہوگا؟'' یہ سوال بہر حال اہم ہے' چاہے خارج میں نظام پارلیمانی جمہوریت کا ہو یا شورائیت پر مبنی امارت کا۔ 'اجتہاد بذریعہ پارلیمنٹ' کا اس تناظر میں جائزہ فکر و خیال کے نئے دریچے کھولنے کا موجب ہو سکتا ہے۔

شاعری میں علامہ کی بعض حیثیتیں مسلّم ہیں۔ وہ ملّت کے حدی خواں ہیں' روحِ دین کے آشنا اور اسرارِ کلامِ الٰہی کے محرم ہیں۔ علامہ کی ان حیثیتوں کو چیلنج کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ان کی شاعری کو بجا طور پر الہامی کہا جا سکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ حالیہ بحث مباحثے سے علامہ کے وہ افکار بھی بہتر طور پر رد و قبول کے مرحلے سے گزر سکیں گے جو روایتی علمی حلقوں میں بلا جھجک کفر و الحاد کا الزام سَر لیے ہوئے ہیں.... اور یہ وقت کی اہم ضرورت بھی ہے!

دورۂ ترجمۂ قرآن **ڈاکٹر اسرار احمد**

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۱۱۳ تا ۱۲۳

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى
لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ
وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا
يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ
بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ
تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى
اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۱۲۰) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ (۱۲۱) يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۱۲۲) وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ
نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ (۱۲۳)﴾

آیت ۱۱۳ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪﴾ ''یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ہیں''

ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے' کوئی جڑ بنیاد نہیں ہے۔

﴿وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ ''اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں ہیں''

اُن کی کوئی بنیاد نہیں ہے' یہ بے بنیاد لوگ ہیں' ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

﴿وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ﴾ ''حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھ رہے ہیں۔''

عہد نامۂ قدیم (Old Testament) یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے اور امریکہ میں جدید عیسائیت کی صورت میں ایک بہت بڑی طاقت جو اُبھر رہی ہے وہ عیسائیت کو یہودیت کے رنگ میں رنگ رہی ہے۔ رومن کیتھولک مذہب نے تو بائبل سے اپنا رشتہ توڑ لیا تھا اور سارا اختیار پوپ کے ہاتھ میں آ گیا تھا' لیکن پروٹسٹنٹس (Protestants) نے پھر بائبل کو قبول کیا۔ اب اس کی منطقی انتہا یہ ہے کہ عہد نامۂ قدیم پر بھی ان کی توجہ ہو رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اسے بھی ہم اپنی کتاب مانتے ہیں اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ امریکہ میں ہم نے ایک سیمینار منعقد کیا تھا' جس میں ایک یہودی عالم نے کہا تھا کہ اس وقت اسرائیل کو سب سے بڑی نصرت و حمایت امریکہ کے اُن عیسائیوں سے مل رہی ہے جو Evengelists کہلاتے ہیں اور وہاں پر ایک بڑا فرقہ بن کر اُبھر رہے ہیں۔ بہر حال یہ اُن کا طرزِ عمل بیان ہوا ہے۔

﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ﴾ ''اسی طرح کہی تھی اُن لوگوں

نے جو کچھ بھی نہیں جانتے' ان ہی کی سی بات۔"

یہاں اشارہ ہے مشرکینِ مکہ کی طرف۔

﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۱۳﴾ "پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا ان کے مابین قیامت کے دن ان تمام باتوں کا جن میں یہ اختلاف کر رہے تھے۔"

اب دیکھئے' اس سلسلۂ کلام کی بقیہ آیات میں بھی اگرچہ خطاب تو بنی اسرائیل ہی سے ہے' لیکن اب یہاں پر اہل مکہ سے کچھ تعریض شروع ہو گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آئے گا' پھر تحویلِ قبلہ کا ذکر آئے گا۔ بیت اللہ چونکہ اُس وقت مشرکین مکہ کے قبضے میں تھا' لہٰذا اس حوالے سے کچھ متعلقہ مضامین آ رہے ہیں اور تحویلِ قبلہ کی تمہید باندھی جا رہی ہے۔ "تحویلِ قبلہ" دراصل اس بات کی علامت تھی کہ اب وہ سابقہ اُمت مسلمہ معزول کی جا رہی ہے اور اس مقام پر ایک نئی اُمت' اُمت محمد ﷺ کی تقرری عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اسی حوالے سے ﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ﴾ کے الفاظ میں مشرکین مکہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ "اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے (لوگوں کو) روکے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے؟"

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں حاضری سے محروم کر دیا تھا اور ان کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرے کے ارادے سے مکہ کا سفر فرمایا' لیکن مشرکین نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس موقع پر صلح حدیبیہ ہوئی اور آپؐ کو عمرہ کیے بغیر واپس آنا پڑا۔ پھر اگلے برس ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرہ ادا کیا۔ تو یہ سات برس محمدٌ رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر بہت شاق گزرے ہیں۔ یہاں مشرکین مکہ کے اس ظلم کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اہلِ ایمان کو مسجد حرام سے روک رکھا ہے۔

﴿وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ﴾ "اور وہ ان کی تخریب کے درپے ہو؟"

نے جو کچھ بھی نہیں جانتے‘ ان ہی کی سی بات۔“

یہاں اشارہ ہے مشرکینِ مکہ کی طرف۔

﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴿۱۱۳﴾﴾ ”پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا ان کے مابین قیامت کے دن ان تمام باتوں کا جن میں یہ اختلاف کر رہے تھے۔“

اب دیکھئے‘ اس سلسلۂ کلام کی بقیہ آیات میں بھی اگرچہ خطاب تو بنی اسرائیل ہی سے ہے‘ لیکن اب یہاں پر اہل مکہ سے کچھ تعریض شروع ہو گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آئے گا‘ پھر تحویلِ قبلہ کا ذکر آئے گا۔ بیت اللہ چونکہ اُس وقت مشرکین مکہ کے قبضے میں تھا‘ لہٰذا اس حوالے سے کچھ متعلقہ مضامین آ رہے ہیں اور تحویلِ قبلہ کی تمہید باندھی جا رہی ہے۔ ”تحویلِ قبلہ“ دراصل اس بات کی علامت تھی کہ اب وہ سابقہ اُمت مسلمہ معزول کی جا رہی ہے اور اس مقام پر ایک نئی اُمت‘ اُمت محمد ﷺ کی تقرری عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اسی حوالے سے ﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ﴾ کے الفاظ میں مشرکین مکہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے (لوگوں کو) روکے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے؟“

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں حاضری سے محروم کر دیا تھا اور ان کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرے کے ارادے سے مکہ کا سفر فرمایا‘ لیکن مشرکین نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس موقع پر صلح حدیبیہ ہوئی اور آپؐ کو عمرہ کیے بغیر واپس آنا پڑا۔ پھر اگلے برس ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرہ ادا کیا۔ تو یہ سات برس محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر بہت شاق گزرے ہیں۔ یہاں مشرکین مکہ کے اس ظلم کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اہل ایمان کو مسجد حرام سے روک رکھا ہے۔

﴿وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ﴾ ”اور وہ ان کی تخریب کے درپے ہو؟“

خراب اور تخریب کا مادۂ اصلی ایک ہی ہے۔ تخریب دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ظاہری تخریب کہ مسجد کو گرا دینا' اور ایک باطنی اور معنوی تخریب کہ اللہ کے گھر کو توحید کی بجائے شرک کا اڈہ بنا دینا۔ مشرکین مکہ نے بیت اللہ کو بُت کدہ بنا دیا تھا: ؎

دنیا کے بُت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا!

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بُت رکھ دیے گئے تھے' جسے ابراہیم علیہ السلام نے توحیدِ خالص کے لیے تعمیر کیا تھا۔ مساجد کے ساتھ لفظ ''خراب'' ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔ یہ بڑی دلدوز حدیث ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے ذہن نشین کر لیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يُوْشِكُ اَنْ يَاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ)) ''اندیشہ ہے کہ لوگوں پر (یعنی میری اُمت پر) ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ'' ((لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ)) ''اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا'' ((وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُهٗ)) ''اور قرآن میں سے اس کے رسم الخط (الفاظ اور حروف) کے سوا کچھ نہیں بچے گا''۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی ضمانت دی ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ وحروف من وعن محفوظ رہیں گے۔ ((مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى)) ''ان کی مسجدیں آباد تو بہت ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہو جائیں گی''۔ یہاں بھی لفظ ''خراب'' نوٹ کیجیے۔ گویا معنوی اعتبار سے یہ ویران ہو جائیں گی۔ ((عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ)) ''ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے کے بدترین انسان ہوں گے''۔ ((مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ)) (۱) ''فتنہ اُن ہی کے اندر سے برآمد ہوگا اور انہی میں گھس جائے گا''۔ یعنی ان کا کام ہی فتنہ انگیزی' مخالفت اور جنگ وجدال ہوگا۔ اپنے اپنے فرقے کے لوگوں کے جذبات کو بھڑکاتے رہنا اور مسلمانوں کے اندر اختلافات کو ہوا دینا ہی اُن کا کام رہ جائے گا۔

آج جن کو ہم علماء کہتے ہیں ان کی عظیم اکثریت اس کیفیت سے دوچار ہو چکی ہے۔ جب مذہب اور دین پیشہ بن جائے تو اس میں کوئی خیر باقی نہیں رہتا۔ دین اور مذہب پیشہ نہیں

---

(۱) رواہ البیھقی فی "شعب الایمان" وابن عدی فی "الکامل" وابو عمرو الدانی فی "السنن الواردة فی الفتن"۔ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح' کتاب العلم' الفصل الثالث۔

تھا' لیکن اسے پیشہ بنالیا گیا۔ اسلام میں کوئی پیشوائیت نہیں' کوئی پاپائیت نہیں' کوئی برہمنیت نہیں۔ اسلام تو ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ ہر شخص کتاب اللہ پڑھے' ہر شخص عربی سیکھے اور کتاب اللہ کو سمجھے۔ ہر شخص کو عبادات کے قابل ہونا چاہیے۔ ہر شخص اپنی بچی کا نکاح خود پڑھائے' اپنے والد کا جنازہ خود پڑھائے۔ ہم نے خود اسے پیشہ بنادیا ہے اور عبادات کے معاملے میں ایک خاص طبقے کے محتاج ہو گئے ہیں۔ مرزا غالب نے کہا تھا: ؏

پیشے میں عیب نہیں' رکھیے نہ فرہاد کو نام!

ایک چیز جب پیشہ بن جاتی ہے تو اس میں پیشہ ورانہ چشمکیں اور رقابتیں در آتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات واضح رہے کہ دنیا کبھی علماءِ حق سے خالی نہیں ہوگی۔ چنانچہ یہاں علماءِ حق بھی ہیں اور علماءِ سو بھی ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت کا حال وہی ہو چکا ہے جو حدیث میں بیان ہوا ہے' ورنہ اُمت کا یوں بیڑہ غرق نہ ہوتا۔

﴿اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ﴾ ''ایسے لوگوں کو تو ان میں داخل ہی نہیں ہونا چاہیے مگر ڈرتے ہوئے۔''

ان لوگوں کو لائق نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدوں میں داخل ہوں' یہ اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔

﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ ''ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہے''

﴿وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور آخرت میں ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔''

اگلی آیت میں تحویل قبلہ کے لیے تمہید باندھی جارہی ہے۔ قبلہ کی تبدیلی بڑا احساس معاملہ تھا۔ جن لوگوں کو یروشلم اور بیت المقدس کے ساتھ دلچسپی تھی ان کے دلوں میں اُس کی عقیدت جاگزیں تھی' جبکہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے ساتھ جن کو دلچسپی تھی ان کے دلوں میں اس کی محبت و عقیدت تھی۔ تو اس حوالے سے قبلہ کی تبدیلی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ہجرت کے بعد قبلہ دو دفعہ بدلا ہے۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ مدینے میں آ کر رسول اللہ ﷺ نے سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور پھر بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آیا۔ اس طرح اہل ایمان کے کئی امتحان ہو گئے' ان کا ذکر آگے آجائے گا۔ لیکن یہاں اس کی تمہید بیان ہو رہی ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۱۵ ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق﴾ ”اور مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔“

یعنی اگر ہم مغرب کی طرف رُخ کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ مغرب میں ہے (معاذ اللہ)۔ اللہ تو جہت اور مقام سے ماورا ہے' وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ یہ تو یکسانیت پیدا کرنے کے لیے اور اجتماعی رنگ دینے کے لیے ایک چیز کو قبلہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ تو ایک علامت ہے۔ غالبؔ نے کیا خوب کہا ہے: ؎

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں!

قبلہ ہمارا مسجود تو نہیں ہے!

﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط﴾ ”پس جدھر بھی تم رُخ کرو گے اُدھر ہی اللہ کا رُخ ہے“۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾﴾ ”یقیناً اللہ بہت وسعت والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔“

وہ بہت وسعت والا ہے' وہ کسی بھی سمت میں محدود نہیں ہے' اور ہر شے کا جاننے والا ہے۔

تحویلِ قبلہ کی تمہید کے طور پر ایک آیت کہہ کر اب پھر اصل سلسلۂ کلام جوڑا جا رہا ہے:

آیت ۱۱۶ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا لا سُبْحٰنَهٗ ط﴾ ”اور ان (میں وہ بھی ہیں جن) کا قول ہے کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ وہ تو ان باتوں سے پاک ہے۔“

ظاہر بات ہے یہاں پھر اہل مکہ ہی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جن کا یہ قول تھا کہ اللہ نے اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں' اور یہودیوں کا بھی ایک گروہ ایسا تھا جو حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتا تھا۔

﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط﴾ ”بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کی ملکیت ہے۔“

سب مخلوق اور مملوک ہیں' خالق اور مالک صرف وہ ہے۔

﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ”سب کے سب اسی کے مطیع فرمان ہیں۔“

بڑے سے بڑا رسول ہو یا بڑے سے بڑا ولی یا بڑے سے بڑا فرشتہ یا بڑے بڑے اَجرامِ سماویہ سب اسی کے حکم کے پابند ہیں۔

آیت ۱۱۷ ﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ”وہ نیا پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔“

وہ بغیر کسی شے کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ ”ابداع“ اور ”خلق“ میں فرق نوٹ کیجیے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بنیادی طور پر تین ہیں: ابداع‘ خلق اور تدبیر۔ ابداع سے مراد ہے عدمِ محض سے کسی چیز کو وجود میں لانا‘ جسے انگریزی میں ”creation ex nihilo“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جبکہ خلق ایک چیز سے دوسری چیز کا بنانا ہے‘ جیسے اللہ تعالیٰ نے گارے سے انسان بنایا‘ آگ سے جنات بنائے اور نور سے فرشتے بنائے‘ یہ تخلیق ہے۔ تو ”بدیع“ وہ ذات ہے جس نے کسی مادۂ تخلیق کے بغیر ایک نئی کائنات پیدا فرما دی۔ ہمارے ہاں ”بدعت“ وہ شے کہلاتی ہے جو دین میں نہیں تھی اور خواہ مخواہ لا کر شامل کر دی گئی۔ جس بات کی جڑ بنیاد دین میں نہیں ہے وہ بدعت ہے۔

﴿وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝﴾ ”اور جب وہ کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔“

آیت ۱۱۸ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ”اور کہا اُن لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے“

یہاں پر مشرکین مکہ کی طرف روئے سخن ہے۔

﴿لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ ؕ﴾ ”کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آ جاتی ہمارے پاس کوئی نشانی؟“

مشرکین مکہ کا رسول اللہ ﷺ سے بڑی شدت کے ساتھ یہ مطالبہ تھا کہ آپ کوئی ایسے معجزات ہی دکھا دیں جیسے آپ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے یا موسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے۔ اگر آپ ہمارے یہ مطالبے پورے کر دیں تو ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں گے۔ یہ مضمون تفصیل کے ساتھ سورۃ الانعام میں اور پھر سورۂ بنی اسرائیل میں آئے گا۔

﴿کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ﴾ ”اسی طرح کی باتیں جو لوگ

ان سے پہلے تھے وہ بھی کہتے رہے ہیں۔"

﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ﴾ "ان کے دل ایک دوسرے سے مشابہ ہو گئے ہیں۔"

﴿قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۱۱۸﴾ "ہم تو اپنی آیات واضح کر چکے ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرنا چاہیں۔"

آیت ۱۱۹ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴾ "(اے نبیؐ!) بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر"

آپؐ کی بنیادی حیثیت یہ ہے کہ آپؐ اہل حق کو جنت اور اس کی تمام تر نعمتوں کی بشارت دیں، اور جو غلط راستے پر چل پڑیں، کفر کریں، منافقت میں مبتلا ہوں، ملحد ہوں اور بدعملی کریں اُن کو آپؐ خبردار کر دیں کہ ان کے لیے جہنم تیار کر دی گئی ہے۔ آپؐ کا کام دعوت، ابلاغ، تبلیغ اور نصیحت ہے۔

﴿وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝۱۱۹﴾ "اور آپؐ سے سوال نہیں کیا جائے گا جہنمیوں کے بارے میں۔"

جو لوگ اپنے طرزِ عمل کی بنا پر جہنم کے مستحق قرار پا گئے ہیں ان کے بارے میں آپؐ ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپؐ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ کیوں جہنم میں پہنچ گئے؟ آپؐ کے ہوتے ہوئے یہ جہنمی کیوں ہو گئے؟ نہیں، یہ آپؐ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ کون جنت میں جانا چاہتا ہے اور کون جہنم میں، یہ آدمی کا اپنا فیصلہ ہے۔ آپؐ کا کام حق کو واضح کر دینا ہے، اس کی وضاحت میں کمی نہ رہ جائے، حق واضح ہو جائے، کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، بس یہ ذمہ داری آپؐ کی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ انسان اگر اپنی اصل مسؤلیت سے زیادہ ذمہ داری اپنے سر پر ڈال لے تو خواہ مخواہ مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کی بہت سی جماعتیں اسی طرح کی غلطیوں کی وجہ سے غلط راستے پر پڑ گئیں اور پوری کی پوری تحریکیں برباد ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ علماءِ یہود ایمان لے آئیں اور جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ ان کے لیے آپ ﷺ نے اللہ کے حضور دعائیں کی ہوں گی۔ جیسے مکی دَور میں آپؐ دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ! عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو تو میری جھولی میں ڈال دے اور اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت عطا فرما!

آیت ۱۲۰ ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ﴾ ''اور (اے نبیؐ! آپ کسی مغالطے میں نہ رہیے) ہرگز راضی نہ ہوں گے آپؐ سے یہودی اور نہ نصرانی جب تک کہ آپؐ پیروی نہ کریں ان کی ملت کی۔''

لٰہذا آپ ان سے اُمید منقطع کر لیجیے۔ اس لیے کہ زیادہ اُمید ہو تو پھر مایوسی ہو جاتی ہے۔ اقبال نے بندۂ مؤمن کے بارے میں بہت خوب کہا ہے: ع

''اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل!''

مقصد اونچا ہو، لیکن امید قلیل رہنی چاہیے۔ اللہ چاہے گا تو ہو جائے گا، نہیں چاہے گا تو نہیں ہو گا۔ بندۂ مؤمن کا کام اپنی حد تک اپنا فرض ادا کر دینا ہے۔ اس سے زیادہ کی خواہش اگر اپنے دل میں پالیں گے تو کسی عجلت پسندی میں گرفتار ہو جائیں گے اور کسی راہِ یسیر یا راہِ قصیر (short cut) کے ذریعے منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں گے اور اپنے آپ کو بھی برباد کر لیں گے۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ﴾ ''کہہ دیجیے ہدایت تو بس اللہ کی ہدایت ہے۔''

جو اللہ نے بتلایا ہے وہی سیدھا راستہ ہے۔

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ﴾ ''اور (اے نبیؐ!) اگر آپؐ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اُس علم کے بعد جو آپ کے پاس آ چکا ہے''

اگر بفرضِ محال آپؐ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی کہ چلو کچھ لو کچھ دو کا معاملہ کر لو، کچھ ان کی بات مانو کچھ اپنی بات منوا لو، تو یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہ ہو گا۔ مکہ میں قریش کی طرف سے اُس طرح کی پیشکش کی جاتی تھی کہ کچھ اپنی بات منوا لیجیے، کچھ ہماری مان لیجیے، compromise کر لیجیے، اور اب مدینہ میں یہود کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ چنانچہ اس پر متنبہ کیا جا رہا ہے۔

﴿مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۲۰﴾ ''تو نہیں ہو گا اللہ کے مقابلے میں آپؐ کے لیے کوئی مددگار اور نہ حمایتی۔'' (معاذ اللہ!)

حق کی تلوار بالکل عریاں ہے۔ اللہ کا عدل ہر فرد کے لیے الگ نہیں ہے، یہ فرد سے فرد

تک بدلتا نہیں ہے۔ ایسے ہی ہر قوم اور ہر اُمت کے لیے قانون تبدیل نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی ایک قوم سے کوئی ایک معاملہ ہو اور دوسری قوم سے کوئی دوسرا معاملہ۔ اللہ کے اُصول اور قوانین غیر مبدل ہیں۔ اس ضمن میں اس کی ایک سنت ہے جس کے بارے میں فرمایا: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًاۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا﴿۴۳﴾﴾ (فاطر) ''پس تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے' اور تم اللہ کے طریقے کو ہرگز ٹلتا ہوا نہیں پاؤ گے۔''

آیت ۱۲۱ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ ''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔''

اس پر میں نے اپنے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں بحث کی ہے کہ تلاوت کا اصل حق کیا ہے۔ ایک بات جان لیجیے کہ تلاوت کا لفظ' جو قرآن نے اپنے لیے اختیار کیا ہے' بڑا جامع لفظ ہے۔ ''تَلَا يَتْلُوْ'' کا معنی پڑھنا بھی ہے اور ''تَلَا يَتْلُوْ'' کسی کے پیچھے پیچھے چلنے (to follow) کو بھی کہتے ہیں۔ سورۃ الشمس کی پہلی دو آیات ملاحظہ کیجیے: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾﴾ ''قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔'' جب آپ کوئی کتاب پڑھتے ہیں تو آپ اس کے متن (text) کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ جو زیادہ ماہر نہیں ہوتے' کتاب پڑھتے ہوئے اپنی انگلی ساتھ ساتھ چلاتے ہیں تاکہ نگاہ اِدھر سے اُدھر نہ ہو جائے' ایک سطر سے دوسری سطر پر نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی تلاوت کا اصل حق یہ ہوگا کہ آپ اس کتاب کو follow کریں' اسے اپنا امام بنائیں' اس کے پیچھے چلیں' اس کا اتباع کریں' اس کی پیروی کریں' جس کی ہم دعا کرتے ہیں: وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً ''اور اسے میرے لیے امام اور روشنی اور ہدایت اور رحمت بنا دے!'' اللہ تعالیٰ اس قرآن کو ہمارا امام اُسی وقت بنائے گا جب ہم فیصلہ کر لیں کہ ہم اس کتاب کے پیچھے چلیں گے۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ''وہی ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

یعنی جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کریں اور اُس کی پیروی بھی کریں۔ اور جو نہ تو تلاوت کا حق ادا کریں اور نہ کتاب کی پیروی کریں' لیکن وہ دعویٰ کریں کہ ہمارا ایمان ہے اس کتاب پر تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ ازروئے حدیث نبویؐ: ((مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ

مَحَارِمَهٗ))⁽¹⁾ ''جس شخص نے قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال کرلیا اس کا قرآن پر کوئی ایمان نہیں ہے''۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝١٢١﴾ ''اور جو اس کا کفر کرے گا تو وہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔''

اب یہود کے ساتھ اس سلسلۂ کلام کا اختتام ہو رہا ہے جس کا آغاز چھٹے رکوع سے ہوا تھا۔ اس سلسلۂ کلام کے آغاز میں جو دو آیات آئی تھیں انہیں میں نے بریکٹ سے تعبیر کیا تھا۔ وہی دو آیات یہاں دوبارہ آ رہی ہیں اور اس طرح گویا بریکٹ بند ہو رہی ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۲۲ ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝١٢٢﴾ ''اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو میں نے تم پر کیا' اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت دی تھی اہل عالم پر۔''

یہ آیت بعینہٖ ان الفاظ میں چھٹے رکوع کے آغاز میں آ چکی ہے۔ (آیت ۴۷) دوسری آیت بھی جوں کی توں آ رہی ہے' صرف الفاظ کی ترتیب تھوڑی سی بدلی ہے۔ عبارت کے شروع اور آخر والی بریکٹس ایک دوسرے کا عکس ہوتی ہیں۔ ایک کی گولائی دائیں طرف ہوتی ہے تو دوسری کی بائیں طرف۔ اسی طرح یہاں دوسری آیت کی ترتیب درمیان سے تھوڑی سی بدل دی گئی ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۲۳ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا﴾ ''اور ڈرو اُس دن سے کہ جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے گی''

﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ ''اور نہ اُس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا''

وہاں الفاظ تھے: ﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ اُس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی''۔

﴿وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ اسے کوئی سفارش ہی فائدہ دے سکے گی''

یہاں عدل پہلے اور شفاعت بعد میں ہے' وہاں شفاعت پہلے ہے اور عدل بعد میں۔ بس یہی ایک تبدیلی ہے۔

﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝١٢٣﴾ ''اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔''

یہ ٹکڑا بھی جوں کا توں وہی ہے جس پر چھٹے رکوع کی دوسری آیت ختم ہوئی تھی۔

---

(١) سنن الترمذی، کتاب الفضائل عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فیمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الاجر۔

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورة البقرة (مسلسل)

آیت ۲۳۳

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢٣٣﴾

ر ض ع

رَضَعَ (ف) رَضَاعَةً : بچے کا دودھ پینا۔

مَرْضَعٌ ج مَرَاضِعُ : دودھ پینے کی جگہ۔ ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ (القصص:١٢) ''اور ہم نے حرام کیا اُنؑ پر دودھ پینے کی جگہوں کو اس سے پہلے۔''

اَرْضَعَ (افعال) اِرْضَاعًا : بچے کو دودھ پلانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

اَرْضِعِیْ (فعل امر) : تو دودھ پلا۔ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ﴾ (القصص:٧) ''اور ہم نے وحی کی موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کی طرف کہ آپ دودھ پلائیں ان کو۔''

مُرْضِعَةٌ (اسم الفاعل) : دودھ پلانے والی۔ ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ﴾ (الحج:٢) ''جس دن تم لوگ دیکھو گے اس کو کہ بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اس کو جسے اس نے دودھ پلایا۔''

اِسْتَرْضَعَ (استفعال) اِسْتِرْضَاعًا : بچے کو کسی سے دودھ پلوانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ک س و

كَسَا (ن) كَسْوًا : کسی کو کچھ پہنانا' لباس پہنانا۔ ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ﴾ (المؤمنون:١٤) ''پھر ہم نے پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔''

اُكْسُ (فعل امر) : تو پہنا۔ ﴿وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ﴾ (النّساء : ٥) ''اور تم لوگ کھلاؤ ان کو اس میں سے اور پہناؤ ان کو۔''

كِسْوَةٌ (اسم ذات) : پہنانے کی چیز' لباس۔ آیت زیر مطالعہ۔

ک ل ف

كَلِفَ (س) كَلَفًا : (١) چہرے پر سرخی اور مٹیالا پن چھانا' چھائیاں ہونا۔ (٢) مشقت پر آمادہ ہونا۔

كَلَّفَ (تفعیل) تَكْلِيْفًا : کسی کو مشقت میں ڈالنا' کسی کام کا پابند کرنا' تکلیف دینا' آیت زیر مطالعہ۔

تَكَلَّفَ (تفعّل) تَكَلُّفًا : خود کو مشقت میں ڈالنا' بے دلی سے کام کرنا' بناوٹ کرنا' دکھاوا کرنا۔

مُتَكَلِّفٌ (اسم الفاعل) : بناوٹ کرنے والا' دکھاوا کرنے والا۔ ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾﴾ (صٓ) ''اور میں دکھاوا کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

و ر ث

وَرِثَ (ح) وَرْثًا : کسی چیز کا مالک بننا' میت کے ترکے کا مالک بننا' وارث بننا۔ ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ﴾ (النّساء:١٩) ''حلال نہیں ہوتا تم لوگوں کے لیے کہ تم لوگ مالک بنو عورتوں کے زبردستی۔'' ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل:١٦) ''اور وارث ہوئے سلیمانؑ داؤدؑ کے۔''

وَارِثٌ ج وَارِثُوْنَ اور وَرَثَةٌ (اسم الفاعل) : مالک بننے والا' وارث بننے والا۔ ﴿وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝٥﴾ (القصص) ''اور یہ کہ ہم بنائیں ان کو پیشوا اور ہم بنائیں ان کو مالک ہونے والے۔'' ﴿وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝٨٥﴾ (الشُّعراء) ''اور تو بنا مجھ کو ہمیشہ سرسبز رہنے والے باغ کے مالک بننے والوں میں سے۔''

مِيْرَاثٌ (مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ) : وارث بننے کا ذریعہ' یعنی ترکہ۔ ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (آل عمران: ١٨٠) ''اور اللہ کے لیے ہی ہے زمین اور آسمانوں کا ترکہ۔''

تُرَاثٌ (اسم ذات) : میت کا چھوڑا ہوا مال۔ ﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝١٩﴾ (الفجر) ''اور تم لوگ کھاتے ہو میت کا مال' سمیٹ کر کھانا۔''

اَوْرَثَ (افعال) اِيْرَاثًا : کسی کو مالک بنانا' وارث بنانا۔ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝٦٣﴾ (مریم) ''یہ باغ وہ ہے جس کا ہم مالک بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اس کو جو صاحبِ تقویٰ تھا۔''

ف ص ل

فَصَلَ (ض) فَصْلًا : دو چیزوں کے درمیان دوری کرنا' حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا' فیصلہ کرنا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ (الحج) ''بے شک اللہ فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن۔''

فَصَلَ (ن) فُصُوْلًا : شہر سے نکلنا' روانہ ہونا۔ ﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ﴾ (البقرة: ٢٤٩) ''پھر جب روانہ ہوا طالوت لشکروں کے ساتھ۔''

فَاصِلٌ (اسم الفاعل) : فیصلہ کرنے والا۔ ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝٥٧﴾ (الانعام) ''اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

فَصِيْلَةٌ (فصیل کا مؤنث) : گھر کی چہار دیواری۔ یہ لفظ پھر گھر میں رہنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے' یعنی کنبہ' گھرانہ۔ ﴿وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْوِيْهِ ۝١٣﴾ (المعارج) ''اور اپنے گھرانے کو جو اُس کو ٹھکانہ دیتا تھا''۔

فَصْلٌ (اسم ذات) : فیصلہ۔ ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝٢١﴾ (الصّٰفّٰت) ''یہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔''

فَصَّلَ (تفعیل) تَفْصِیْلًا : کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کرنا' کھول کھول کر بیان کرنا' تفصیل سے بتانا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝﴾ (الاعراف) ''اور اس طرح ہم کھول کھول کر بتاتے ہیں آیتوں کو اور یہ اس لیے شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔''

مُفَصَّلٌ (اسم المفعول) : تفصیل سے بتایا ہوا' الگ الگ کیا ہوا۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ﴾ (الانعام:١١٤) ''وہ ہے جس نے اُتارا تم لوگوں کی طرف کتاب کو' الگ الگ کی ہوئی حالت میں۔''

فَاصَلَ (مفاعلہ) فِصَالًا : کسی کو شراکت سے الگ کرنا' بچے کا دودھ چھڑانا' آیت زیرِ مطالعہ۔

ش و ر

شَارَ (ن) شَوْرًا : (۱) چھتے سے شہد نکالنا' کسی چیز کا جوہر نکالنا۔ (۲) گھوڑے کی صلاحیت معلوم کرنے کے لیے اس پر سواری کرنا' کسی کا تعارف حاصل کرنا۔

اَشَارَ (افعال) اِشَارَةً : کسی کا تعارف کرانا' اشارہ کرنا۔ ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ﴾ (مریم:٢٩) ''تو اس نے اشارہ کیا اس کی طرف۔''

شَاوَرَ (مفاعلہ) مُشَاوَرَةً : کسی کے دماغ سے اس کی رائے نکالنا' رائے لینا' مشورہ لینا' رائے معلوم کرنا۔

شَاوِرْ (فعل امر) : تو رائے لے۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾ (آل عمران:١٥٩) ''اور آپ رائے لیں ان سے فیصلے میں۔''

تَشَاوَرَ (تفاعل) تَشَاوُرًا : ایک دوسرے سے رائے لینا' باہم مشورہ کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

شُوْرٰى (اسم فعل) : باہم مشورہ کرنا۔ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪﴾ (الشوریٰ:٣٨) ''اور ان لوگوں کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے۔''

ترکیب : ''یُرْضِعْنَ'' کا فاعل اس میں ''ھُنَّ'' کی ضمیر ہے جو ''اَلْوَالِدٰتُ'' کے لیے ہے۔ ''اَوْلَادَھُنَّ'' اس کا مفعول ہے اور ''حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ'' مبتدأ مؤخر ہیں۔ ان میں ''ھُنَّ'' کی ضمیر ''اَلْوَالِدٰتُ'' کے لیے ہے۔ ان کی خبر محذوف ہے جو ''وَاجِبٌ'' ہو سکتی ہے۔ ''عَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ'' قائم مقام خبر مقدم

ہے اور ''بِالْمَعْرُوْفِ'' متعلق خبر ہے۔ ''تُكَلَّفُ'' باب تفعیل کا مضارع مجہول ہے اور یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ ''نَفْسٌ'' اس کا نائب فاعل ہے' جبکہ اس کا مفعول محذوف ہے جو ''شَيْئًا'' ہوسکتا ہے۔

''لَا تُضَآرَّ'' باب مفاعلہ کا مضارع مجزوم ہے' لیکن یہ مضارع معروف اور مجہول دونوں کا فعل نہی بنتا ہے' اس لیے دونوں ترجموں کی گنجائش ہے اور یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔ ''وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ'' میں ''وَلَا'' کے بعد ''يُضَآرَّ'' محذوف ہے اور اس کے بھی دونوں ترجمے مراد ہیں۔ زیادہ تر تراجم میں مجہول کا ترجمہ کیا گیا ہے اس لیے دوسرا پہلو واضح کرنے کے لیے ہم معروف کا ترجمہ دیں گے۔ ''اٰتَيْتُمْ'' کا ایک مفعول ''مَا'' ہے اور دوسرا مفعول ''هُنَّ'' محذوف ہے۔ ''اِذَا'' شرطیہ کی وجہ سے ''اٰتَيْتُمْ'' کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

ترجمہ:

وَالْوَالِدٰتُ : اور بچہ جننے والیاں	يُرْضِعْنَ : دودھ پلائیں گی
اَوْلَادَهُنَّ : اپنے بچوں کو	حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ : کامل دو سال
لِمَنْ : اس کے لیے جو	اَرَادَ : چاہتا ہے
اَنْ يُّتِمَّ : کہ وہ پورا کرے	الرَّضَاعَةَ : بچے کے دودھ پینے کو
وَعَلَى : اور اس پر ہے	الْمَوْلُوْدِ : بچہ جنا گیا
لَهٗ : جس کے لیے	رِزْقُهُنَّ : ان کی خوراک
وَكِسْوَتُهُنَّ : اور ان کا لباس	بِالْمَعْرُوْفِ : بھلائی سے
لَا تُكَلَّفُ : پابند نہیں کیا جاتا	نَفْسٌ : کسی جان کو
اِلَّا : مگر	وُسْعَهَا : اس کی وسعت کو
وَلَا تُضَآرَّ : اور دکھ نہ دے	وَالِدَةٌ : کوئی والدہ (کسی کو)
بِوَلَدِهَا : اپنے بچے کے ذریعے	وَلَا : اور نہ ہی (دکھ دے)
مَوْلُوْدٌ لَّهٗ : کوئی والد (کسی کو)	بِوَلَدِهٖ : اپنے بچے کے ذریعے
وَعَلَى الْوَارِثِ : اور وارث پر (واجب) ہے	مِثْلُ ذٰلِكَ : اس کی مانند
فَاِنْ اَرَادَا : پھر اگر دونوں چاہیں	فِصَالًا : بچے کا دودھ چھڑانا

عَنْ تَرَاضٍ : باہمی رضامندی سے
مِّنْهُمَا : ان دونوں میں
وَتَشَاوُرٍ : اور باہمی مشورے سے
فَلَا جُنَاحَ : تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے
عَلَيْهِمَا : ان دونوں پر
وَاِنْ اَرَدْتُّمْ : اور اگر تم لوگ چاہو
اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا : کہ کسی (اور) سے دودھ پلواؤ
اَوْلَادَكُمْ : اپنے بچوں کو
فَلَا جُنَاحَ : تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے
عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر
اِذَا : جب (بشرطیکہ)
سَلَّمْتُمْ : تم لوگ حوالے کر دو
مَّآ : اس کو جو
اٰتَيْتُمْ : تم نے دینا ہے
بِالْمَعْرُوْفِ : دستور کے مطابق
وَاتَّقُوا اللّٰهَ : اور تم لوگ تقویٰ اختیار کرو اللہ کا
وَاعْلَمُوْٓا : اور جان لو
اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ
بِمَا : اس کو جو
تَعْمَلُوْنَ : تم لوگ کرتے ہو
بَصِيْرٌ : دیکھنے والا ہے

آیت ۲۳۴

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۳۴﴾

و ذ ر

وَذَرَ (ف) وَذْرًا : کسی چیز کو چھوڑنا، ترک کرنا۔ ﴿اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝۱۲۵﴾ (الصّٰفّٰت) ”کیا تم لوگ پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہترین پیدا کرنے والے کو؟“

ذَرْ (فعل امر) : تو چھوڑ۔ ﴿وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶﴾ (التوبة) ”اور انہوں نے کہا تو چھوڑ ہم کو تو ہم ہو جائیں بیٹھنے والوں کے ساتھ۔“

خ ب ر

خَبَرَ (ف) خَبْرًا : کسی چیز کے متعلق معلومات حاصل کرنا' آ گاہ ہونا۔

خَبَرٌ ج اَخْبَارٌ (اسم ذات) : آ گاہی' خبر' معلومات۔ ﴿اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ (النمل:۷) ''بے شک میں دیکھتا ہوں آگ کو۔ عنقریب میں لاؤں گا تم لوگوں کے پاس اس سے کوئی خبر۔'' ﴿قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ﴾ (التوبۃ:۹۴) ''ہم کو بتا دیا ہے اللہ نے تمہاری خبروں میں سے۔''

خَبِیْرٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت) : ہمیشہ اور ہر حال میں آگاہ' باخبر' آیت زیر مطالعہ۔

خُبْرٌ (اسم ذات) : تجربہ' علم۔ ﴿وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾﴾ (الکہف) ''اور آپؐ کیسے ثابت قدم رہیں گے اس پر' آپؐ نے احاطہ نہیں کیا جس کا' بطورِ علم کے۔''

ترکیب : ''یُتَوَفَّوْنَ'' باب تفعّل سے مضارع مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''اَلَّذِیْنَ'' کے لیے ہے۔ ''یَذَرُوْنَ'' کا فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے اور یہ بھی ''اَلَّذِیْنَ'' کے لیے ہے۔ ''اَزْوَاجًا'' اس کا مفعول ہے۔ ''یَتَرَبَّصْنَ'' کا فاعل اس میں ''هُنَّ'' کی ضمیر ہے جو ''اَزْوَاجًا'' کے لیے ہے۔ ''اَرْبَعَةَ'' مضاف ہے اور ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''عَشْرًا'' کے بعد ''لَیَالٍ'' (راتیں) محذوف ہے۔ یہ دراصل ''عَشْرَ لَیَالٍ'' تھا۔ ''لَیَالٍ'' محذوف ہوا تو ''عَشْرَ'' مضاف نہیں رہا اس لیے ''عَشْرًا'' آیا ہے۔ اگر یہاں دن مراد ہوتے تو یہ ''عَشْرَةَ اَیَّامٍ'' بنتا اور پھر ''اَیَّامٍ'' محذوف کرنے سے ''عَشْرَةً'' آتا۔

ترجمہ:

وَالَّذِیْنَ	اور وہ لوگ جن کو	یُتَوَفَّوْنَ	موت دی جاتی ہے
مِنْكُمْ	تم میں سے	وَیَذَرُوْنَ	اور وہ لوگ چھوڑتے ہیں
اَزْوَاجًا	بیویوں کو	یَّتَرَبَّصْنَ	وہ انتظار کریں گی
بِاَنْفُسِهِنَّ	اپنے نفس کے ساتھ	اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	چار مہینے
وَّعَشْرًا	اور دس (راتیں)	فَاِذَا	پھر جب
بَلَغْنَ	وہ پہنچیں	اَجَلَهُنَّ	اپنی مدت کو
فَلَا جُنَاحَ	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	عَلَیْكُمْ	تم لوگوں پر

فِیْمَا: اس میں جو
فَعَلْنَ: وہ کریں
فِیْٓ اَنْفُسِھِنَّ: اپنے لیے
بِالْمَعْرُوْفِ: بھلائی سے
وَاللّٰہُ: اور اللہ
بِمَا: اس سے جو
تَعْمَلُوْنَ: تم لوگ کرتے ہو
خَبِیْرٌ: آگاہ ہے

آیت ۲۳۵

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِہٖ مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَآءِ اَوْ اَکْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ سَتَذْکُرُوْنَھُنَّ وَلٰکِنْ لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَہٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾﴾

خ ط ب

خَطَبَ (ن) خَطْبًا: (۱) کسی کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنا، وعظ کرنا، تقریر کرنا۔ (۲) منگنی کا پیغام دینا، منگنی کرنا۔

خَطْبٌ: صورت حال، حال، مدّعا، مطلب۔ ﴿فَمَا خَطْبُکُمْ اَیُّھَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾﴾ (الحجر) ''تم لوگوں کا کیا مدعا ہے اے بھیجے ہوئے لوگو! (یعنی فرشتو)''

خِطْبَۃٌ: رشتہ کا پیغام۔ آیت زیر مطالعہ۔

خَاطَبَ (مفاعلہ) مُخَاطَبَۃً اور خِطَابًا: کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے گفتگو کرنا، خطاب کرنا۔ ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ﴾ (ھود: ۳۷) ''اور تم گفتگو مت کرنا مجھ سے ان کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا۔''

خِطَابٌ (اسم ذات بھی ہے): گفتگو، خطاب۔ ﴿وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾﴾ (صٓ) ''اور وہ حاوی ہوا مجھ پر گفتگو میں۔''

ک ن ن

کَنَّ (ن) کَنًّا: کسی چیز کو کسی چیز میں چھپانا، ڈھانکنا، محفوظ کرنا۔

مَکْنُوْنٌ (اسم المفعول): چھپایا ہوا، محفوظ کیا ہوا۔ ﴿کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾﴾

(الصّٰفّٰت) ’’جیسے کہ وہ ہوں محفوظ کیے ہوئے انڈے۔‘‘

کِنَانٌ ج اَکِنَّۃٌ : وہ چیز جس میں چھپایا جائے‘ غلاف‘ پردہ۔ ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَکِنَّۃٍ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:٥) ’’اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔‘‘

کِنٌّ ج اَکْنَانٌ : جس میں انسان خود کو چھپائے‘ کمرے کے اندر کوٹھڑی‘ غار۔ ﴿وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا﴾ (النحل:٨١) ’’اور اس نے بنائی تمہارے لیے پہاڑوں میں غار۔‘‘

اَکَنَّ (افعال) اِکْنَانًا : کسی بات کو دل میں چھپانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ع ق د

عَقَدَ (ض) عَقْدًا : (١) کسی چیز کو باندھنا‘ گرہ لگانا۔ (٢) کسی چیز کو پکا کرنا‘ مضبوط کرنا‘ جیسے وعدہ یا سودا وغیرہ (متعدی)۔ (٣) مضبوط ہونا (لازم)۔ ﴿وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ ؕ﴾ (النّساء:٣٣) ’’اور وہ لوگ جن سے پکی ہوئیں تمہاری قسمیں تو ان کو دو اُن کا حصہ۔‘‘

عُقْدَۃٌ ج عُقَدٌ (اسم ذات) : گرہ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝۴﴾ (الفلق) ’’اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔‘‘

عِقْدٌ ج عُقُوْدٌ (اسم ذات) : عہد‘ پیان۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ﴾ (المائدۃ:١) ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم لوگ پورا کرو عہدوں کو۔‘‘

عَقَّدَ (تفعیل) تَعْقِیْدًا : بار بار پکا کرنا‘ خوب مضبوط کرنا۔ ﴿یُؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ﴾ (المائدۃ:٨٩) ’’وہ پکڑے گا تم کو اس پر جو تم نے پکا کیا قسموں کو۔‘‘

ترکیب : ’’عَرَّضْتُمْ بِہٖ‘‘ میں ’’ہٗ‘‘ کی ضمیر ’’فِیْمَا‘‘ کے لیے ہے۔ ’’مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَاءِ‘‘ میں ’’مِنْ‘‘ بیانیہ ہے جو ’’فِیْمَا‘‘ کی وضاحت کر رہا ہے۔ ’’خِطْبَۃِ‘‘ مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ ’’اَلنِّسَاءِ‘‘ ہے۔ اس پر لام تعریف لگا ہوا ہے جو گزشتہ آیت کے لفظ ’’اَزْوَاجًا‘‘ کے لیے ہے۔ ’’لَا تُوَاعِدُوْا‘‘ کا مفعول ’’ھُنَّ‘‘ کی ضمیر ہے‘ جبکہ ’’سِرًّا‘‘ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ:

وَلَا جُنَاحَ : اور کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	عَلَیْکُمْ : تم لوگوں پر
فِیْمَا : اس میں	عَرَّضْتُمْ : تم لوگ اشارۃً پیش کرو

بِہٖ : جس کو
اَوْ اَكْنَنْتُمْ : یا تم لوگ چھپاؤ
عَلِمَ اللّٰهُ : اللہ نے جانا
سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ : تذکرہ کرو گے ان کا
لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ : تم لوگ معاہدہ مت کرو اُن سے
اِلَّآ اَنْ : سوائے اس کے کہ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا : دستور کے مطابق کوئی بات
عُقْدَةَ النِّكَاحِ : نکاح کی گرہ کا
يَبْلُغَ : پہنچے
اَجَلَهٗ : اپنی مدت کو
اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ
مَا : اس کو جو
فَاحْذَرُوْهُ : پس تم لوگ بچو اس سے
اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ
حَلِيْمٌ : ہر حال میں بُردبار ہے

مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ : ان خواتین کے رشتہ کے پیغام میں سے
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ : اپنے جی میں
اَنَّكُمْ : کہ تم لوگ
وَلٰكِنْ : اور لیکن
سِرًّا : چوری چھپے
تَقُوْلُوْا : تم لوگ کہو
وَلَا تَعْزِمُوْا : اور پختہ ارادہ مت کرو
حَتّٰى : یہاں تک کہ
الْكِتٰبُ : قانون
وَاعْلَمُوْٓا : اور تم لوگ جان لو
يَعْلَمُ : جانتا ہے
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ : تمہارے نفسوں میں ہے
وَاعْلَمُوْٓا : اور جان لو
غَفُوْرٌ : بے انتہا بخشنے والا ہے

آیت ۲۳۶

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾﴾

ق ت ر

قَتَرَ (ن) قَتْرًا : خرچ میں تنگی کرنا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾

(الفرقان:٦٧) ''اور وہ لوگ جو جب بھی خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ نہیں کرتے اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں۔''

قَتُوْرٌ (فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ) : خرچ میں بہت زیادہ تنگی کرنے والا' کنجوس' بخیل۔ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ (بنی اسراء یل) ''اور انسان کنجوس ہے۔''

قَتِرَ (س) قَتَرًا : کسی چیز کی بو پھیلنا' آگ کا دھواں دینا۔

قَتَرٌ (اسم ذات) : دھواں' سیاہی۔ ﴿وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ﴾ (یونس:٢٦) ''اور نہیں چھائے گی ان کے چہروں پر کوئی سیاہی اور نہ ہی کوئی ذلت۔''

اَقْتَرَ (افعال) اِقْتَارًا : مال کا کم ہو جانا۔

مُقْتِرٌ (اسم الفاعل) : مال میں کم ہونے والا' تنگ دست۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''مَا لَمْ'' کا ''مَا'' ظرفیہ ہے۔ ''اَوْ تَفْرِضُوْا'' میں ''اَوْ'' کے بعد ''مَا لَمْ'' محذوف ہے اس لیے فعل ''تَفْرِضُوْا'' مجزوم آیا ہے۔ ''عَلَى الْمُوْسِعِ'' سے پہلے اس کا مبتدأ ''تَمْتِيْعٌ'' اور خبر ''وَاجِبٌ'' محذوف ہے۔ ''مَتَاعًا'' اور ''حَقًّا'' خبر محذوف ''وَاجِبٌ'' کا حال ہے۔

ترجمہ:

لَا جُنَاحَ : کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر
اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ : اگر تم لوگ طلاق دو عورتوں کو	مَا : جبکہ
لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ : تم نے چھوا نہیں ان کو	اَوْ : یا
تَفْرِضُوْا : (جبکہ نہیں) تم نے فرض کیا	لَهُنَّ : ان کے لیے
فَرِيْضَةً : کوئی واجب (مہر)	وَّمَتِّعُوْهُنَّ : اور تم لوگ سامان دو اُن کو
عَلَى الْمُوْسِعِ : (سامان دینا واجب ہے) فراغ دست پر	قَدَرُهٗ : اس کے اندازے سے
وَعَلَى الْمُقْتِرِ : اور تنگ دست پر	قَدَرُهٗ : اس کے اندازے سے
مَتَاعًا : سامان ہوتے ہوئے	بِالْمَعْرُوْفِ : دستور کے مطابق

حَقًّا: حق ہوتے ہوئے
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ: بلاکم وکاست کام کرنے والوں پر

آیت ۲۳۷

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾﴾

ترکیب: ''وَقَدْ فَرَضْتُمْ'' کا ''واؤ'' حالیہ ہے۔ ''فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ'' میں ''نِصْفُ'' مضاف ہے' ''مَا'' اس کا مضاف الیہ ہے اور یہ پورا فقرہ مبتدأ ہے۔ اس کی خبر ''وَاجِبٌ'' اور متعلق خبر ''عَلَيْكُمْ'' محذوف ہے۔ ''يَعْفُوْنَ'' جمع مذکر غائب اور جمع مؤنث غائب کے صیغوں میں ہم شکل ہوجاتا ہے۔ یہاں چونکہ ''اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ'' میں ''اَنْ'' کی وجہ سے نونِ اعرابی نہیں گرا' اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ جمع مؤنث غائب ہے۔ ''اَوْ يَعْفُوَا'' دراصل واحد مذکر غائب کا صیغہ ''يَعْفُوْ'' ہے جو ''اِلَّآ اَنْ'' پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوکر ''يَعْفُوَا'' ہوا ہے اور اس کے آگے ''الف'' لکھنا قرآن کا مخصوص املاء ہے۔ اس کی وجہ سے اس کو تثنیہ کا صیغہ ماننا ممکن نہیں ہے' کیونکہ آگے ''اَلَّذِيْ'' واحد آیا ہے۔ جبکہ ''وَاَنْ تَعْفُوْٓا'' جمع مذکر مخاطب ہے' کیونکہ ''اَنْ'' کی وجہ سے نونِ اعرابی گرا ہوا ہے۔

ترجمہ:

وَاِنْ: اور اگر
طَلَّقْتُمُوْهُنَّ: تم لوگ طلاق دو اُن کو
مِنْ قَبْلِ: اس سے پہلے
اَنْ: کہ
تَمَسُّوْهُنَّ: تم نے چھوا ان کو
وَ: اس حال میں کہ
قَدْ فَرَضْتُمْ: تم فرض کر چکے ہو
لَهُنَّ: ان کے لیے
فَرِيْضَةً: کوئی واجب (مہر)
فَنِصْفُ مَا: تو اس کا آدھا ہے جو
فَرَضْتُمْ: تم نے فرض کیا (واجب ہے تم پر)
اِلَّآ اَنْ: سوائے اس کے کہ
يَّعْفُوْنَ: وہ خواتین معاف کردیں
اَوْ: یا (یہ کہ)

يَعْفُوَا: زیادہ دے	الَّذِيْ بِيَدِهٖ :وہ جس کے ہاتھ میں
عُقْدَةُ النِّكَاحِ :نکاح کی گرہ ہے	وَاَنْ :اور یہ کہ
تَعْفُوْآ :تم لوگ زیادہ دو	اَقْرَبُ :(تو یہ) زیادہ قریب ہے
لِلتَّقْوٰى :تقویٰ سے	وَلَا تَنْسَوُا :اور تم لوگ مت بھولو
الْفَضْلَ :حق سے زیادہ چیز کو	بَيْنَكُمْ: آپس میں
اِنَّ اللّٰهَ :یقیناً اللہ	بِمَا :اس کو جو
تَعْمَلُوْنَ :تم لوگ کرتے ہو	بَصِيْرٌ: ہر حال میں دیکھنے والا ہے

نوٹ (۱) : ''تَمَسُّوْهُنَّ'' سے پہلے طلاق دینے کا پاکستانی اصطلاح میں مطلب ہے رخصتی سے پہلے طلاق دینا۔ اس میں دو امکانات ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح کے وقت مہر طے نہیں ہوا تھا اور رخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی۔ اس کے لیے ہدایت گزشتہ آیت میں ہے۔ دوسرے یہ کہ نکاح کے وقت مہر طے ہوا تھا پھر رخصتی سے پہلے طلاق ہوئی۔ اس کے لیے ہدایت آیت زیر مطالعہ میں ہے۔

آیت ۲۳۸

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝٢٣٨﴾

ح ف ظ

حَفِظَ (س) حِفْظًا : کسی چیز کو ضائع ہونے یا رائیگاں جانے سے بچانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حفاظت کرنا۔ (۲) نگرانی کرنا۔ (۳) یاد کرنا۔ ﴿يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الرعد: ۱۱) ''وہ لوگ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ کے حکم سے۔''

اِحْفَظْ (فعل امر): تو حفاظت کر، نگہبانی کر۔ ﴿وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ ؕ﴾ (المائدۃ: ۸۹) ''اور تم لوگ حفاظت کرو اپنی قسموں کی۔''

حَفِيْظٌ (فَعِيْلٌ کا وزن) : ہمیشہ اور ہر حال میں (۱) حفاظت یا نگرانی کرنے والا (۲) محفوظ کرنے والا۔ ﴿وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝﴾ (الانعام) ''اور میں نہیں ہوں تم لوگوں کی نگہبانی کرنے والا۔'' ﴿وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝﴾ (قٓ) ''اور ہمارے پاس ایک

محفوظ کرنے والی کتاب ہے۔"

حَافِظٌ (فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل) : حفاظت کرنے والا، نگرانی کرنے والا۔ ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾﴾ (الحجر) "اور بے شک ہم اس کی لازماً حفاظت کرنے والے ہیں۔"

مَحْفُوْظٌ (مفعولٌ کے وزن پر اسم المفعول) : حفاظت کیا ہوا۔ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ﴾ (الانبیاء: ٣٢) "اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک حفاظت کی ہوئی چھت۔"

حَفَظَةٌ (صفت) : نگہبان، نگران۔ ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ﴾ (الانعام: ٦١) "اور وہ بھیجتا ہے تم لوگوں پر نگہبان۔"

حَافَظَ (مفاعلہ) **مُحَافَظَةً** : کسی چیز کی مسلسل نگہبانی کرنا، یعنی کسی کام پر ہمیشگی اختیار کرنا۔ ﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾﴾ (الانعام) "اور وہ لوگ اپنی نماز پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔"

حَافِظْ (اسم الفاعل) : تو مسلسل نگرانی کر، تو ہمیشگی اختیار کر۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

اِسْتَحْفَظَ (استفعال) **اِسْتِحْفَاظًا** : کسی چیز کی حفاظت چاہنا۔ ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (المائدۃ: ٤٤) "اس وجہ سے کہ وہ حفاظت چاہے گئے اللہ کی کتاب میں سے۔"

ترکیب : "حَافِظُوْا عَلٰی" پر عطف ہونے کی وجہ سے "الصَّلٰوةِ" مجرور ہوا ہے۔ "**الْوُسْطٰی**" اس کی صفت ہے، لیکن مبنی ہونے کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ "**قٰنِتِیْنَ**" حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ:

حٰفِظُوْا : تم لوگ ہمیشگی اختیار کرو	**عَلَی الصَّلَوٰتِ** : نمازوں پر
وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی : اور (بالخصوص نگرانی کرو) درمیانی نماز کی	**وَقُوْمُوْا** : اور کھڑے ہو
لِلّٰهِ : اللہ کے لیے	**قٰنِتِیْنَ** : فرماں بردار ہوتے ہوئے

آیت ٢٣٩

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾﴾

ر ج ل

رَجَلَ (ن) رَجْلًا : ٹانگ پر مارنا۔

رَجِلَ (س) رَجَلًا : پیدل چلنا۔

رِجْلٌ ج اَرْجُلٌ (اسم ذات) : ٹانگ، پیر۔ ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ﴾ (صٓ:٤٢) ''آپؑ ٹھوکر ماریں اپنے پیر سے۔'' ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ﴾ (الاعراف:١٩٥) ''کیا ان کی ٹانگیں ہیں، وہ لوگ چلتے ہیں جن سے؟''

رَجُلٌ ج رِجَالٌ (اسم ذات): مرد، آدمی۔ ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ٧٨﴾ (ھود) ''کیا تم لوگوں میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے؟'' ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا﴾ (الاعراف:٤٨) ''اور پکارا اعراف کے لوگوں نے کچھ مَردوں کو۔''

رَاجِلٌ (ج) رِجَالٌ اور رَجِلٌ (اسم الفاعل): پیدل چلنے والا، پیادہ۔ ''رَاجِلٌ'' قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ رِجَالٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾ (بنی اسراء یل:٦٤) ''اور تو لے آ ان پر اپنے سواروں کو اور اپنے پیادوں کو۔''

ر ك ب

رَكِبَ (س) رُكُوْبًا و مَرْكَبًا : کسی چیز پر چڑھنا، سوار ہونا۔ ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ﴾ (العنکبوت:٦٥) ''پھر جب وہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی پر تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو۔''

اِرْكَبْ (فعل امر) : تو چڑھ، تو سوار ہو۔ ﴿يٰبُنَىَّ ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ (ھود:٤٢) ''اے میرے بچے! تُو سوار ہو ہمارے ساتھ۔''

رَاكِبٌ جمع رَكْبٌ، رُكُوْبٌ، رُكْبَانٌ (فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل) : سوار ہونے والا، سوار۔ رَاكِبٌ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ ﴿وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ﴾ (الانفال:٤٢) ''اور سواروں کا دستہ تم سے زیادہ اُترائی میں تھا۔'' ﴿فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ٧٢﴾ (یٰسٓ:٧٢) ''تو اس میں سے ان کے سوار ہیں اور اس میں سے وہ لوگ کھاتے ہیں۔'' رُكْبَانٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

رِكَابٌ : سوار کے پیر رکھنے کی جگہ، رِکاب، سواری کا اونٹ۔ ﴿فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ

خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ﴾ (الحشر:٦) ''تو تم نے نہیں دوڑایا اس پر کوئی گھوڑا اور نہ ہی کوئی اونٹ۔''

رَکَّبَ (تفعیل) تَرْکِیْبًا: ایک پر دوسری چیز رکھنا، ترتیب سے رکھنا، کسی کو ترتیب دینا۔ ﴿فِیْ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ﴿۸﴾﴾ (الانفطار) ''جیسی صورت میں اس نے چاہا ترتیب دیا تجھ کو۔''

تَرَاکَبَ (تفاعل) تَرَاکُبًا: باہم ایک دوسرے پر چڑھنا، ایک دوسرے میں گتھ جانا۔

مُتَرَاکِبٌ (اسم الفاعل): ایک دوسرے میں گتھنے والا۔ ﴿نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ج﴾ (الانعام:٩٩) ''ہم نکالتے ہیں اس سے کچھ دانے باہم گتھے ہوئے۔''

ترکیب: ''خِفْتُمْ'' کا مفعول محذوف ہے۔ ''رِجَالًا'' اور ''رُکْبَانًا'' دونوں حال ہیں اس لیے منصوب ہیں۔ ان کا فعل ''فَصَلُّوْا'' محذوف ہے۔ ''عَلَّمَکُمْ'' میں ''عَلَّمَ'' کا فاعل اس میں ''ھُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''اللّٰہ'' کے لیے ہے۔ ''مَا لَمْ'' میں ''مَا'' مفعول مقدم ہے ''تَعْلَمُوْنَ'' کا۔

ترجمہ:

فَاِنْ خِفْتُمْ: پھر اگر تمہیں خوف ہو (کسی چیز کا)	**فَرِجَالًا**: تو (نماز پڑھو) پیدل چلتے ہوئے
اَوْ رُکْبَانًا: یا سواری کرتے ہوئے	**فَاِذَآ اَمِنْتُمْ**: پھر جب تم لوگ امن میں ہو
فَاذْکُرُوا اللّٰہَ: تو یاد کرو اللہ کو	**کَمَا**: اس طرح جیسے
عَلَّمَکُمْ: اس نے سکھایا تم لوگوں کو	**مَّا**: جس کو
لَمْ تَکُوْنُوْا: تم لوگ تھے ہی نہیں	**تَعْلَمُوْنَ**: کہ جانتے

نوٹ (١): گزشتہ آیت میں نماز میں ہمیشگی اختیار کرنے کے حکم کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنا، اور دوسرے یہ کہ ہر نماز کو حضورِ قلبی کے ساتھ ادا کرنا۔ ہمیں حکم ہے کہ ان دونوں پہلوؤں سے ہم ہمیشہ ہر نماز کی حفاظت کریں۔ اگر کبھی حالات ایسے ہوں کہ کسی بھی وجہ سے مذکورہ حکم پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں حضورِ قلبی کے پہلو کو چھوڑ دو، لیکن مقررہ وقت کے پہلو کو قائم رکھو، اور جیسے بھی بن پڑے نماز پڑھ لو۔

نوٹ (٢): کلمہ طیبہ دین اسلام کا پہلا رکن ہے۔ اس کا اقرار کرنے کے بعد انسان پر اللہ

اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم پر عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے چار فرائض نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی اہمیت زیادہ ہے اور ان کو ارکانِ دین کا درجہ حاصل ہے۔ اب نوٹ کریں کہ ان میں بھی روزہ' زکوٰۃ اور حج ایسے ارکان ہیں جن میں کچھ استثناء بھی ہیں' لیکن نماز وہ واحد رکن ہے جس کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں ''فَاِنْ خِفْتُمْ'' کے مفعول کو محذوف کر کے اسے عمومیت دی گئی اور حکم دیا گیا کہ خواہ کیسے بھی حالات ہوں' نماز بہرحال پڑھنی ہے' بیٹھ کر' لیٹ کر' چلتے ہوئے' سواری کرتے ہوئے' جیسے بھی بن پڑے نماز پڑھو۔ خوف کی انتہائی حالت جنگ ہے' اس میں بھی استثناء نہیں ہے۔ حالتِ جنگ میں نماز پڑھنے کا طریقہ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۲ میں بتایا گیا ہے۔

نوٹ (۳) : جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی صفات و کمالات اور آخرت کے تصور تک انسان کی عقل از خود رسائی حاصل کر سکتی ہے' لیکن تفصیلات کے لیے انسان کی عقل اس کی راہنمائی نہیں کر سکتی' اس کے لیے وہ علمِ وحی کا محتاج ہے۔ آیت زیر مطالعہ اس کی ایک مثال ہے۔

نوٹ (٤) : شادی' بیاہ اور طلاق وغیرہ کے مسائل کے درمیان میں نماز کا ذکر کرنے کا مقصد ہمیں یہ یاد دلانا ہے کہ نماز کے بے شمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی مشق انسان میں خدا ترسی کا جذبہ اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔

آیت ۲۴۰

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾﴾

ترکیب : ''وَصِيَّةً'' مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل ''يُوْصُوْنَ'' محذوف ہے۔ ''مَتَاعًا'' کی نصب ''وَصِيَّةً'' کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔ جبکہ ''غَيْرَ'' حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ:

وَالَّذِيْنَ : اور وہ لوگ جن کو
يُتَوَفَّوْنَ : موت دی جاتی ہے
مِنكُمْ : تم میں سے
وَيَذَرُوْنَ : اور وہ لوگ چھوڑتے ہیں
اَزْوَاجًا : بیویوں کو
وَّصِيَّةً : (اور کر جاتے ہیں) کوئی وصیت

لِاَزْوَاجِهِمْ : اپنی بیویوں کے لیے
مَّتَاعًا : (یعنی) کچھ برتنے کا سامان
اِلَى الْحَوْلِ : ایک سال تک
غَيْرَ اِخْرَاجٍ : نکالنے کے بغیر (گھر سے)
فَاِنْ : پھر اگر
خَرَجْنَ : وہ نکلتی ہیں
فَلَا جُنَاحَ : تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے
عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر
فِيْ مَا : اس میں جو
فَعَلْنَ : وہ کرتی ہیں
فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ : اپنے بارے میں
مِنْ مَّعْرُوْفٍ : بھلائی میں سے
وَاللّٰهُ : اور اللہ
عَزِيْزٌ : بالادست ہے
حَكِيْمٌ : حکمت والا ہے

آیت ۲۴۱

﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۴۱﴾

ترکیب : ''مُطَلَّقٰتِ'' اسم المفعول ہے اور یہ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ''مَتَاعٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ ''بِالْمَعْرُوْفِ'' متعلق خبر ہے۔

ترجمہ:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ : اور طلاق دی ہوئی خواتین کے لیے
مَتَاعٌ : کچھ برتنے کا سامان (دینا) ہے
بِالْمَعْرُوْفِ : دستور کے مطابق
حَقًّا : حق ہوتے ہوئے
عَلَى الْمُتَّقِيْنَ : تقویٰ کرنے والوں پر

آیت ۲۴۲

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲۴۲﴾

ترجمہ:

كَذٰلِكَ : اس طرح
يُبَيِّنُ : واضح کرتا ہے
اللّٰهُ : اللہ
لَكُمْ : تمہارے لیے
اٰيٰتِهٖ : اپنی نشانیوں (یعنی ہدایات) کو
لَعَلَّكُمْ : شاید کہ تم لوگ
تَعْقِلُوْنَ : عقل (استعمال) کرو

مکارمِ اخلاق

مسلم معاشرہ کے استحکام کے لیے ناگزیر

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) (متفق علیہ)☆

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے' اور تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو' اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو' اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس نہ کرو' اور آپس میں حسد نہ کرو' آپس میں بغض و کینہ نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو' بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔''

اسلامی تعلیمات میں اخلاقیات کی بہت اہمیت ہے۔ مکارمِ اَخلاق مسلم معاشرہ کے استحکام کے لیے نہایت اہم ہیں۔ ان سے انسان کی شخصیت میں کشش اور جاذبیت پیدا ہوتی ہے' جبکہ رذائل اخلاق اچھے بھلے آدمی کو قعرِ مذلت میں اتار دیتے ہیں۔ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اخلاقی خوبیوں سے مالا مال ہو اور برائی سے متنفر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

☆ صحیح البخاری' کتاب الادب' باب یایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن...... وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوھا۔

((مَا شَیْءٌ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ)) (۱)

''قیامت کے دن مؤمن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے''۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے کامل نمونہ ہے۔ آپؐ کے اخلاق کے بارے میں قرآن مجید میں ہے: ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾﴾ (القلم) ''بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں''۔ آپؐ کی زندگی انتہائی پاکیزہ تھی۔ آپؐ کی اخلاقی خوبیوں کا اعتراف آپ کے دشمن بھی کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ)) (۲)

''مجھے اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہے''۔

اُمت کے افراد کو بھی رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اچھے اخلاق اپنانے کی تلقین کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا))(۳)

''تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں''۔

زیر درس حدیث میں، جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے بدگمانی، عیب جوئی، دوسروں سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس، کینہ، بغض اور دوسروں کی تحقیر سے منع فرمایا ہے اور ہدایت کی ہے کہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ گویا اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خیرخواہ، ہمدرد، غم گسار اور مددگار بن کر رہیں اور اخلاقی کمزوریوں سے اپنے آپ کو دُور رکھیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے بدظنی سے روکا ہے کہ یہ سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بدظنی سے نفرت اور عداوت جنم لیتی ہے، جبکہ حسن ظن محبت پیدا کرتا ہے۔ تمام اخلاقی کمزوریوں کی طرح بدظنی بھی ایک لذیذ گناہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک مسلمان بھائی اعلانیہ صدقہ و خیرات کرتا ہو تو بدگمانی کرتے ہوئے یہ سمجھنے کی بجائے کہ وہ ریاکاری اور نمائش کر رہا ہے، یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ وہ اس لیے اعلانیہ خرچ کرتا ہے تاکہ دوسروں کو اپنی مثال سے انفاق فی سبیل اللہ پر اُبھارے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ)) (٤)

''نیک گمان رکھنا بہترین عبادت ہے''۔

اس حدیث میں دوسرا گناہ جس سے روکا گیا ہے' وہ دوسروں کی کمزوریوں اور عیبوں کے پیچھے پڑنا ہے۔ یہ بھی بُری عادت ہے جو نفرت اور عداوت پیدا کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ)) (٥)

''جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا''۔

ہر انسان کے اندر کمزوریاں اور خامیاں موجود ہوتی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ میری یہ کمزوریاں دوسروں کے علم میں نہ آئیں اور نہ انہیں اُچھالا جائے' تو وہ دوسروں کے عیب کیوں تلاش کرے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) (٦)

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

تیسری بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس نہ کرو' یعنی دوسرے مسلمان بھائی کو نیچا دکھانے کے درپے نہ رہو۔ اگر کسی کو کہیں فائدہ پہنچ رہا ہو تو مداخلت کر کے وہ فائدہ خود حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اسے محروم رکھنا کسی طور پر بھی جائز نہیں۔

چوتھی بات جس سے اس حدیث میں روکا گیا ہے' وہ آپس میں حسد کرنا ہے' اور حسد کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ناپسند کرنا ہے۔ جس شخص کو اللہ نے مال و دولت' حسن و جمال' عزت و عظمت دے رکھی ہے اس سے حسد کرنا تو گویا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتراض اور ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر خوش ہو نہ کہ اس چیز کو بُرا منائے۔

پانچویں بات جس سے منع کیا گیا ہے' وہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھنا ہے۔ یہ عادت بھی کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ بھائی تو بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے' وہ بھائی کے لیے

اپنے دل میں بغض کیوں رکھے گا؟ بغض سے نفرت اور عداوت جنم لیتی ہے، مگر مسلمان تو رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی شان کے حامل ہیں۔ اُن کے اندر آپس کا بغض ہرگز قابل برداشت نہیں۔ اگر کہیں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مداخلت کر کے فریقین کے درمیان مصالحت کرا دیں۔

آخری بات رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ فرمائی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے مُنہ نہ پھیریں۔ یعنی نہ تعلق قطع کریں، نہ بول چال بند کریں اور نہ ایک دوسرے کو بنظرِ حقارت دیکھیں۔ اگر مجلس میں بیٹھیں تو دوسرے کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس کی طرف پیٹھ کر کے نہ بیٹھیں، مبادا وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائے۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو! یعنی اخوت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ہمہ وقت دوسرے مسلمانوں کے لیے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات رکھو۔

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا: ''دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے''۔ اتنے میں ایک انصاری رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں لیے ہوئے تازہ وضو کر کے آرہے تھے، داڑھی پر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے یہی فرمایا اور وہی صاحب اسی طرح تشریف لائے۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ اس بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبویؐ ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لیے اور ان انصاری صحابیؓ سے کہنے لگے کہ حضرت! مجھ میں اور میرے والد میں کچھ تکرار ہو گئی ہے جس پر میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا، پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں تین دن آپ کے ہاں گزار لوں! انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں۔

اس دوران آپؓ نے مشاہدہ کیا کہ وہ انصاری صحابیؓ رات کو تہجد کی لمبی نماز بھی نہیں پڑھتے، بلکہ صرف اتنا کرتے ہیں کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی بڑائی اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہاں یہ بات ضرور تھی کہ میں نے ان کے مُنہ سے

سوائے کلمۂ خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا۔ اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت! دراصل نہ تو میرے اور میرے والد کے درمیان ایسی کوئی بات ہوئی تھی اور نہ ہی میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا' بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپؓ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہ کر دیکھوں تو سہی کہ آپؓ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبانِ مبارک سے جیتے جی آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی' لیکن میں نے آپؓ کو نہ تو کوئی نیا عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں ہی اوروں سے بڑھا ہوا دیکھا' اب میں جا رہا ہوں' لیکن ایک زبانی سوال ہے کہ آپ ہی بتائیے کہ آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی جنتی بنایا؟ اُن انصاری صحابیؓ نے فرمایا بس تم میرے اعمال کو دیکھ چکے' ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ وہ انصاری صحابیؓ اُن سے رخصت ہو کر بس تھوڑا سا چلے تھے کہ انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا: ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ' وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے حسد اور بغض اور اس سے دھوکہ بازی کا ارادہ تک بھی نہیں ہوا' میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا ہے' اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے' اور یہ وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس میں نہیں۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر' سورۃ الحشر)

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب البر والصلة عن رسول اللهﷺ' باب ما جاء فی حسن الخلق۔

(۲) موطأ امام مالك' کتاب الجامع' باب انه قد بلغه ان رسول اللهﷺ قال بعثت لاتمم حسن الاخلاق۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب صفة النبیﷺ۔ وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب کثرة حیائه۔

(٤) مسند احمد۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الادب' باب فی حسن الظن۔

(٥) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر۔

(٦) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔

جہاد اور قتال

سید محمد علی ☆

یہ مضمون ''ڈاکٹر محمد خیر ہیکل'' کے ''**الجهاد والقتال فى السياسة الشرعية**'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کے مقالے کی بعض ابحاث کا ترجمہ ہے۔ اس مقالے کی افادیت کے پیش نظر اس کا اردو زبان میں ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مؤلف نے اپنے اس مقالے میں جہاد کو قتال کے معنی میں استعمال کیا ہے' اگر چہ وہ جہاد کے عمومی مفہوم کے انکاری نہیں ہیں۔ مؤلف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مکی سورتوں میں لفظ جہاد اپنے عمومی مفہوم میں استعمال ہوا ہے' یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہر قسم کی جدوجہد جہاد ہے' جبکہ مدنی سورتوں میں یہ قتال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف کا یہ کہنا ہے کہ مکی سورتوں میں جہاد جس معنی و مفہوم میں مستعمل ہے وہ اس کا لغوی مفہوم ہے جبکہ مدنی صورتوں میں اس کا شرعی و اصطلاحی مفہوم بیان ہوا ہے۔ ہمارے نزدیک مؤلف کی پہلی بات درست ہے' لیکن دوسری بات درست نہیں ہے۔ جہاد کا جن معنوں میں مکی سورتوں میں استعمال ہوا ہے وہ بھی اس کا شرعی و اصطلاحی مفہوم ہے اور مدنی سورتوں میں اس سے جو معنی مراد ہے وہ بھی اس کا اصطلاحی و شرعی مفہوم ہے' کیونکہ دونوں مفاہیم شریعت سے ثابت ہیں۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ قرآن و سنت میں کسی جگہ وارد لفظ جہاد سے اس کا عمومی معنی مراد لیا جائے یا خصوصی معنی (یعنی قتال)' اس کا تعین قرائن' سیاق و سباق اور دلیل کی بنیاد پر ہوگا۔ مثلاً ان قرائن میں سے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ مکی سورتوں میں جہاد عام معنی میں جبکہ مدنی سورتوں میں خاص معنی میں مستعمل ہے۔ بہر حال جہاد بمعنی قتال کے اعتبار سے یہ ایک مفید مقالہ ہے جس میں قتال کی مختلف صورتوں کی شرعی حیثیت اور ان کے جواز اور عدم جواز کی بحث کو مؤلف نے قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں قتال کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن کو بعض جہادی تحریکوں نے اپنے لیے بطور منہج مقرر کیا ہے۔ (ادارہ)

''جہاد'' کی تعریف کے حوالے سے دو قسم کے مصادر ہماری توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ ایک قسم اُن مصادر کی ہے جن کے مؤلفین کے پیش نظر خصوصی طور پر مفرد الفاظ کی لغوی تحقیق رہی

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ' قرآن اکیڈمی' لاہور

ہے۔ ان کتابوں سے الفاظ کے حقیقی معانی خوب واضح ہو جاتے ہیں اور کبھی تو ان میں مجازی‘ شرعی‘ عرفی اور اصطلاحی استعمالات کی بھی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ ان کتابوں میں سے چند ایک یہ ہیں: **المعاجم اللغوية‘ القاموس المحيط‘ لسان العرب‘ مختار الصحاح**۔

دوسری قسم ان مصادر کی ہے جن کے لکھنے والوں نے الفاظ کی اصطلاحی تعریف موضوع کے اعتبار سے کی ہے۔ ان کی وساطت سے نہ صرف لغوی معانی بلکہ مخصوص اصطلاحی مفاہیم بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کتابوں میں لغوی اور اصطلاحی معانی کے مابین پائی جانے والی مناسبت کی طرف بھی واضح اشارہ ہوتا ہے۔ ایسے مصادر کے تألیف کرنے والے اگرچہ لغت کے اچھے عالم خیال کیے جاتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی بحث و تحقیق کو لغوی مباحث تک ہی محدود نہیں رکھا۔ ان کتابوں میں سرفہرست النهاية **لابن اثير** اور **تعريفات للجرجاني** ہیں۔ ان کے علاوہ اصولِ فقہ‘ فقہ‘ تفسیر اور حدیث کی بہت سی کتابیں اسی فہرست میں شامل ہیں۔

مصادر کی مذکورہ بالا دونوں قسموں پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے مختلف معانی کے لحاظ سے جہاد کی تعریف کی ہے۔

لغت عرب میں الفاظ کے معانی:

علماءِ لغت کے طریقۂ کار کے موافق علماءِ اصولِ فقہ نے بھی لفظ کی اس حیثیت سے کہ اُس کے معانی کی نوعیت کیا ہے‘ چار اقسام بیان کی ہیں:

(۱) حقیقی (۲) مجازی (۳) صریح (۴) کنایہ (۱)

علماءِ اصول نے حقیقت کی تعریف اور اقسام بیان کی ہیں۔ تعریف ان الفاظ میں منقول ہے:

انها اللفظ المستعمل فيما وضع له

’’لفظ کا ان معانی پر دلالت کرنا جن کے لیے اسے بنایا گیا ہے‘ حقیقی معنی کہلاتا ہے‘‘۔

اب یہ توضیع (بناوٹ) اپنے متعلقات کے لحاظ سے مختلف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وضع لغوی‘ وضع شرعی‘ وضع عرفی اور وضع اصطلاحی درحقیقت لفظ کے حقیقی معنوں میں شامل ہیں۔ (۲)

اب ہم حقیقت کی ان اقسام کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم جائزہ لیں گے کہ ’’جہاد‘‘ ان میں سے کون سی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

(۱) حقیقتِ لغوی: لفظ کا ان معانی کے لیے استعمال کیا جانا جن کے لیے اسے لغت میں ایجاد کیا گیا ہے۔ جیسے انسان‘ فرس (گھوڑا)۔ (۳)

(۲) حقیقتِ شرعی: شریعت میں الفاظ کا وہ خاص مفہوم جس کے لیے انہیں عرب نے وضع نہ کیا ہو' حقیقتِ شرعی کہلاتا ہے۔ (٤) اس کی مثال لفظ ''الصلاۃ'' ہے کہ وضع عربی کے اعتبار سے اس کے معنی ''دعا'' کے ہیں جب کہ شریعت نے اسے ایک نیا مفہوم عطا کیا ہے' یعنی افعال واقوال کا وہ مجموعہ جو تکبیر سے شروع ہو کر تسلیم پر ختم ہو جاتا ہے' صلوٰۃ کہلاتا ہے۔

(۳) حقیقتِ عرفی: عرف وعادت میں لفظ کا اپنے موضوع لہٗ معنی سے ہٹ کر کسی اور معنی میں استعمال ہونا یا کسی لفظ کا اپنے لغوی معنی کے بجائے عادی وعرفی معنی میں استعمال ہونا حقیقتِ عرفی کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

i) ایک لفظ پہلے عام معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو' پھر اہل لغت کے عرف میں مخصوص معنی کے لیے خاص ہو گیا ہو' جیسے لفظ ''دابّۃ'' ہے۔ یہ ذواتِ اربعہ (چوپاؤں) پر بولا جاتا ہے اور چوپاؤں پر اس کا استعمال حقیقتِ عرفی کے قبیل سے ہے' کیونکہ اصل لغت میں ہر اُس چیز کو ''دابّۃ'' کہتے ہیں جو زمین پر چلتی ہو' اور اس معنی کے لحاظ سے تو انسان اور حیوان بھی ''دابّۃ'' کی تعریف میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ii) ایک لفظ کا اصل لغت میں مستقل معنی ہو' پھر وہ عرف میں ایسے معنی کے لیے عام ہو گیا ہو جس کا اصل لغوی معنی سے کوئی تعلق نہ ہو اور اب مطلق طور پر اس سے عرفی معنی ہی سمجھا جاتا ہو۔ جیسے لفظ ''الغائط'' ہے کہ اس کا لغت میں اصل معنی نشیبی یا ہموار زمین کا ہے لیکن اہل لغت کے ہاں بول و براز کے معنی میں معروف ہے' اور اب مطلق طور پر اس کا یہ معروف معنی ہی غالب ہے۔ (٥)

(۴) حقیقتِ عرفی کی خاص نوعیت: اسے اہل علم کے ہاں ''اصطلاح'' کے عنوان سے بھی گردانا جاتا ہے۔ اور یہ وہ انداز ہے جو لغت میں کسی مستقل معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو لیکن کسی طبقے میں اسے لغوی معنی کی بجائے دوسرے خاص معنی کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ جیسے رفع' نصب' جر کی اصطلاحات اہل نحو کے ہاں معروف ہیں۔ گویا علم نحو میں یہ اصطلاحات حقیقی معنوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ (٦)

اس بحث کے بعد یہ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ اگر اہل لغت کوئی بھی لفظ مذکورہ بالا حقیقت کی چار قسموں کے علاوہ قرینے کی بنیاد پر' کسی خاص معنی میں استعمال کریں تو لفظ کا یہ استعمال مجازی معنی میں کہلائے گا۔ (٧)

اس قاعدے کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اہل دین وشرع کے ہاں لفظ ''**الصلاۃ**'' کا معنی ''دعا'' مجاز کے قبیل سے ہوگا' جبکہ اہل لغت کے ہاں یہ معنی حقیقت کے قبیل سے ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے ابواُسید ساعدی مالک بن ربیعہ کی روایت پیش خدمت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''ہم (صحابہ) نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ بنوسلمہ کا ایک شخص آیا اور نبی علیہ السلام سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: کیا میں اپنے والدین کے ساتھ اُن کی وفات کے بعد بھی کوئی بھلائی کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''ان دونوں (والدین) کے لیے دعا کرنا (**الصلوٰۃ علیھما**)' ان کے کردہ گناہوں کی بخشش طلب کرنا' ان کے وعدوں کی پاسداری کرنا' ان کے احباب کو دامنِ عزت میں جگہ دینا اور اُن کے واسطے سے جنم لینے والی رشتہ داریوں کو قائم رکھنا۔ (یہ سب والدین کے ساتھ ان کی موت کے بعد بھلائی ہے)''۔(۸)

اس حدیث میں لفظ ''**الصلاۃ**'' دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہ مجاز کے قبیل سے ہے۔ نبی ﷺ دین وشرع کے لانے اور پہنچانے والے ہیں۔ آپؐ کا لفظ ''**الصلاۃ**'' کو لغوی معنوں میں استعمال کرنا حقیقی نہیں مجازی کہلائے گا۔ اس لیے کہ اہل شرع کے ہاں ''**الصلاۃ**'' کا حقیقی مفہوم لغت والا نہیں بلکہ وہ مفہوم حقیقی ہے جو شارع نے مقرر کیا ہے۔ اسی طرح جب اہل لغت لفظ ''**الصلاۃ**'' کو کسی قرینہ کی بنیاد پر شرعی معنی میں استعمال کریں تو اُن کا یہ استعمال بھی مجازاً ہوگا' کیونکہ اہل لغت کے ہاں ''**الصلاۃ**'' کا حقیقی مفہوم ''دعا'' ہے۔

اس مقام پر جو چیز ہمارا مقصودِ نظر ہے وہ لفظ ''الجہاد'' کی تحقیق ہے کہ اس کا تعلق حقیقت کی کون سی قسم کے ساتھ ہے؟ اور کیا اسے مجازی طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے؟

(۱) لغوی اعتبار سے جہاد کی حقیقت

لفظ ''**الجهاد**'' رباعی فعل کا مصدر ہے۔ ''**فِعال**'' کے وزن پر یہ ''**المفاعلة**'' یعنی دوطرفہ کوشش کے معنی میں ہے۔ یہ بالکل اسی طریقہ پر ہے جیسے لفظ ''**الْخِصَام**'' فعل ''**خَاصَمَ**'' کا مصدر ہے اور ''**مخاصمة**'' کے معنی میں ہے۔ اسی طرح لفظ ''**الجِدَال**'' **جَادَلَ** کا مصدر ہے اور ''**مجادلة**'' کے معنی عطا کرتا ہے۔

لفظ ''**الجهاد**'' ثلاثی فعل ''**جَهِدَ**'' کے مصدر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ

صاحبِ قاموس فیروز آبادی نے ثلاثی کا مصدر بتا کر اس کے حسبِ ذیل تین معانی بیان کیے ہیں: (i) قوت وطاقت (ii) مشقت (iii) **یُضَمُّ** (ملاپ) (۹)

''لسان العرب'' میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ ''**الجَہد**'' مشقت کے معنی میں ہے اور ''**الجُہد**'' طاقت کا معنی دیتا ہے۔ پھر کہتے ہیں ''**الجہاد استفراغ ما فی الوسع والطاقة من قول او فعل**'' (کسی کام میں قول وفعل کی تمام قوت وطاقت لگانا جہاد ہے۔)(۱۰)

''المنجد'' کے مؤلف کی تحقیق کے مطابق **جَاهَدَ۔ مُجَاهَدَةً وَجِهَادًا** اُس وقت کہا جاتا ہے جب ایک شخص کسی کام کے لیے اپنی تمام طاقت خرچ کر دے اور تمام قوت کام میں لائے۔ یا یہ کہ دو شخصوں میں سے ہر ایک اپنے مدّ مقابل کو نیچا کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیت صرف کر ڈالے۔(۱۱)

علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں رقم طراز ہیں:

> ''لفظ ''**الجِہاد**'' جیم کے کسرہ کے ساتھ یا تو بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے: **جاهدتَ العدوّ مجاهدةً وجهادًا** ''آپ نے دشمن کے مقابلے میں (اسے شکست دینے کی) بھرپور کوشش کی''۔ اور یہ اصل میں ''**قِیْتَال**'' کی طرح ''**جِیْہَاد**'' تھا' پھر اس کی ''یاء'' کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور ''**جِہَاد**'' ہو گیا۔
>
> یا یہ جیم کے فتحہ کے ساتھ ''**الجَہد**'' سے مشتق ہے۔ **جَہد** کا معنی انتہائی مشقت وتھکاوٹ کا ہے اور ظاہر ہے کہ نتیجے کے لحاظ سے ''**الجِہاد**'' میں بھی یہ معنی ہے کہ انسان شدید محنت کے بعد تھک جاتا ہے۔
>
> اس کے علاوہ یہ جیم کے ضمہ کے ساتھ ''**الجُہد**'' سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے۔ جبکہ ''**الجُہد**'' کا معنی طاقت وتوانائی ہے اور یہ بھی صحیح ہے' کیونکہ ''**الجہاد**'' کے عمل میں اس کا بھی حصہ ہے۔ ہر ایک مقابلے میں اپنی طاقت وتوانائی خرچ کرتا ہے''۔(۱۲)

تفسیر نیشاپوری میں ہے: ''تحقیق یہ ہے کہ جہاد حصولِ مقصد کے لیے بے پناہ کوشش و طاقت صرف کرنے کا نام ہے''۔(۱۳)

کسائی کی معروف کتاب ''بدائع الصنائع'' میں ہے: ''جہاں تک جہاد کی لغوی تعریف کا مسئلہ ہے تو وہ یہ ہے کہ لغت میں جہاد یا تو ''**بذل الجہد**'' (تمام وسعت و طاقت لگا دینا) سے عبارت ہے یا ''**المبالغة فی العمل**'' (کسی کام کو انتہائی بلیغ انداز سے سرانجام دینا) سے عبارت ہے۔(۱۴)

علامہ حملاوی بدائع الصنائع کی شرح میں فرماتے ہیں کہ باب مفاعلہ کا اکثر استعمال مشارکت (دوطرفہ عمل) کے معنی میں ہوتا ہے' لیکن صاحب بدائع الصنائع نے ’’**المبالغة فی العمل**‘‘ سے باب مفاعلہ کے قلیل الاستعمال معانی ’’مبالغہ‘‘ اور ’’بہتات‘‘ کی طرف اشارہ کیا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: **ضاعف مضاعفةً** بمعنی **ضَعَّفَ تَضْعِيفًا** اور مقصود مبالغہ ہوتا ہے۔(١٥)

لفظ ’’**الجهاد**‘‘ کے لغوی معنی کے متعلق یہ اقوال نقل کرنے کے بعد ہم اس کی لغوی تعریف کر سکتے ہیں۔ اور یاد رہے جیسا کہ ہم پہلے تشریح کر چکے ہیں کہ یہ تعریف لفظ ’’**الجهاد**‘‘ کی حقیقتِ لغوی کے قبیل سے ہوگی۔

الجهاد

ایک دوسرے پر فتح حاصل کرنے کے لیے دونوں طرف سے کی جانے والی بھرپور کوشش کا نام جہاد ہے' خواہ یہ کوشش پوشیدہ ہی ہو۔ پوشیدہ کوشش کی مثال انسان کا اپنے نفس سے جہاد کرنا ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کا نفس دو متناقض (متضاد) صفات پر مشتمل ہے جو ایک دوسری پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے باہم کشاکش میں رہتی ہیں۔ ایک کی دوسری پر فوقیت لے جانے کی یہ کوشش بھی لغوی لحاظ سے جہاد ہے۔

اس تعریف میں ہم نے ’’لسان العرب‘‘ اور شرح قسطلانی کی تعریفات کو جمع کر دیا ہے اور وضاحت کی خاطر ’’وَلَوْ تَقْدِيْرًا‘‘ (پوشیدہ ہونا) کے الفاظ بھی بڑھائے ہیں۔

جہاد کی اس لغوی تعریف کو بنیاد بناتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ طاقت وقوت اور بھرپور کوشش کبھی تو اسلحہ کے بل بوتے پر کی جاتی ہے اور کبھی اسلحہ کے بغیر بھی ہوتی ہے۔ کبھی تو اس میں مال بھی لگتا ہے اور کبھی یہ صرف گفت وشنید تک رہتی ہے(١٦)' اور کبھی یہ کوشش کسی قول یا فعل سے باز رہنے کے لیے ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے والدین کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کے پیہم اصرار پر اسے صبر کرنا پڑتا ہے(١٧)۔ اور جس طرح کوئی شخص خود کو ناجائز شہوت سے روک کے رکھتا ہے حالانکہ اس کا نفس اسے ناجائز خواہش کی طرف مائل کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ بالکل یہی معانی صاحبِ **حاشية الجمل علی الجلالين** نے بیان کیے ہیں کہ جہاد دشوار گزار امر پر صبر کرنے کا نام ہے(١٨)' برابر ہے کہ یہ میدانِ جنگ میں لڑائی کے دوران دشمن کے مقابلے میں ہو یا نفس کے مقابلے میں۔ لہٰذا ایک مسلمان کا جہاد یا تو نفس کے مقابلے میں ہوتا ہے' یا شیطان کے' یا خدا کے نافرمانوں کے' یا پھر کفار کے

مقابلے میں ہوتا ہے۔(۱۹)

''الجہاد'' کی اس لغوی تحقیق کی روشنی میں ایک مسلمان کا اللہ کی خوشنودی کی خاطر جہاد کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہو گا اور جہاد فی سبیل الشیطان کفار کا غیروں کے ساتھ جہاد کرنا کہلائے گا۔ کیونکہ جہاد امام نیشا پوری کے الفاظ میں: **بذل الجهود في حصول المقصود** (منزل ومقصود پانے کے لیے بھرپور جدوجہد کر ڈالنا) ہے۔(۲۰)

شرعی اعتبار سے جہاد کی حقیقت

پہلے پہل کتاب وسنت میں جہاد کا لفظ لغوی معنی میں نقل ہوتا رہا ہے' جیسا کہ اس کی مثال میں گزرا۔ پھر یہ لفظ شارع علیہ السلام کی طرف سے مخصوص شرعی معنی میں بھی استعمال کیا جانے لگا' اور وہ یہ کہ خدا کی راہ میں دشمنانِ اسلام سے لڑائی کرنا۔ عام ہے کہ یہ لڑائی بنفس نفیس ہو یا مال اور رائے کے ذریعے معاونت ہو۔(۲۱)

جہاد کی یہ مخصوص تعریف اسلام کے مدنی دَور میں کی گئی۔ مکی دَور میں جہاد کی کوئی مخصوص شرعی تعریف متعین نہیں کی گئی تھی۔ اس لیے مکی سورتوں میں لفظ ''الجہاد'' اپنی لغوی تحقیق میں استعمال ہوا ہے' اور ایسا سورۃ العنکبوت کی تین آیات میں ہے:

(i) ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ﴾ (آیت ۶)

''اور جو شخص محنت کرتا ہے تو وہ اپنے ہی (فائدے کے) لیے کرتا ہے''۔

(ii) ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ﴾ (آیت ۸)

''اگر وہ دونوں (تیرے ماں باپ) تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی حقیقت سے تو واقف نہیں تو تُو ان کی بات نہ مان''۔

(iii) ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ﴾ (آیت ٦٩)

''اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے''۔

اور سورۂ لقمان کی ایک آیت میں ہے:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا......﴾ (آیت ۱۵)

''اور اگر وہ دونوں (تیرے ماں باپ) تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان......''

جہاں تک مکی سورۃ ''النحل'' کی آیت: ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا

ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿١١٠﴾﴾ [پھر جن لوگوں نے آزمائش میں ڈالے جانے (تکالیف اٹھانے) کے بعد ہجرت کی' پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو تمہارا پروردگار ان کو بے شک ان مصائب کے بعد بہت زیادہ بخشنے والا (اور) بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے] کا تعلق ہے' یہ آیت مفسرین کے مطابق مدنی ہے اور اس کے مدنی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں ہجرت کا تذکرہ ہے۔

مدنی سورتوں میں لفظ ''الجہاد'' ۲۶ مرتبہ وارد ہوا ہے اور ان تمام مقامات پر یہ مخصوص شرعی معنی میں مستعمل ہے۔ ان میں سے ایک مقام سورۃ النساء کی درج ذیل آیت ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴿٩٥﴾﴾

''جو مسلمان بغیر کسی عذر کے گھروں میں بیٹھ رہنے والے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے لڑنے والے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجے میں فضیلت بخشی ہے۔ اور اچھا (نیک) وعدہ تو سبھی سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں کی نسبت اجرِ عظیم سے نوازا ہے''۔

یہاں اس آیت سے بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ جہاد کا مفہوم ''لڑائی (قتال) کے لیے نکلنا'' ہے۔ اس لیے کہ آیت میں واضح طور پر مقاتلین کو قاعدین (گھر بیٹھنے والوں) اور قتال کے لیے نہ نکلنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

اسی طرح سورۃ التوبۃ کی درج ذیل آیت میں بھی جہاد شرعی تحقیق میں استعمال ہوا ہے:

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۴۱)

''تم سبکبار ہو یا گراں بار (یعنی مال و اسباب تھوڑا رکھتے ہو یا زیادہ) نکل آؤ (گھروں سے) اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑو''۔

اس آیت میں لفظ ''اِنْفِرُوْا'' (جہاد کے لیے گھروں سے نکلو) کے بعد جہاد کا حکم دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ جہاد سے مراد و مقصود قتال (لڑائی) ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴿٨٦﴾﴾ (التوبة)

''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر لڑائی کرو تو جو اُن میں دولت مند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو رہنے دیجیے' جو لوگ گھروں میں رہیں گے ہم بھی اُن کے ساتھ رہیں گے''۔

اور:

﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿٩٣﴾﴾ (التوبة)

''یہ اس بات سے خوش ہیں کہ اُن (عورتوں) کے ساتھ رہیں جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں)' اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ تو یہ سمجھتے ہی نہیں''۔

اسی طرح سورۃ الصّف کی ابتدا ہی میں آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴿٤﴾﴾ [یقیناً اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن لوگوں سے جو اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر (پرے جما کر) لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں] اور آیات ۱۰، ۱۱ میں بھی جہاد کے اسی مفہومِ شرعی یعنی قتال کو بیان کیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿١١﴾﴾

''اے مؤمنو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے خلاصی دے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے''۔

مذکورہ بالا تمام مدنی آیات وضاحت کے ساتھ قتال' اس کے اسباب (جیسے مال و قوت) اور اس کی شرائط' جیسے کفار کو لڑائی سے قبل اسلام کی دعوت دینا' پر دلالت کر رہی ہیں(۲۲)۔ قرآن مجید کے علاوہ سنت نبویؐ میں بھی لفظ الجہاد شرعی معنی میں وارد ہوا ہے۔ اس سلسلے کی چند احادیث پیش خدمت ہیں:

١) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالُوْا : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ، اَخْبِرْنَا بِعَمَلٍ یَعْدِلُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تُطِیْقُوْنَهٗ)) قَالُوْا : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ : اَخْبِرْنَا فَلَعَلَّنَا اَنْ نُطِیْقَهٗ ، قَالَ : ((مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ ، لَا یَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَلَا صَدَقَةٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ اِلٰی اَهْلِهٖ))(٢٣)

”سیدنا ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے‘ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں ایسا عمل بتایئے جو (اجر کے اعتبار سے) جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ”تم اُس کی طاقت نہیں رکھتے“۔ صحابہؓ نے پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ بتایئے تو سہی‘ شاید ہم اس کی طاقت رکھتے ہوں! آپؐ نے فرمایا: ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزے دار کی سی ہے جو اللہ کی حدوں پر قائم ہونے والا اور اللہ کے احکام کا فرماں بردار رہنے والا ہے‘ اُس کے روزے اور صدقے میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ مجاہد اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ آئے“۔

اس حدیث میں سوال اور جواب کے دونوں مقامات پر مجاہد سے مراد مقاتل (اللہ کی راہ میں لڑنے والا) ہے۔

٢) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالُوْا : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ : اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ قَالَ : ((مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِیْقَ دَمُهٗ))(٢٤)

”حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام (ؓ) نے عرض کیا: اے رسولِ خدا! کون سا جہاد افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”جس میں عمدہ گھوڑوں کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں اور بہت زیادہ خون بہایا جائے (خون خرابا ہو)“۔“ آپؐ کا اشارہ جنگ کی شدت کی طرف ہے۔

٣) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَمَّا اُصِیْبَ اِخْوَانُکُمْ بِاُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ ، تَرِدُ اَنْهَارَهَا وَتَاْکُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَسْرَحُ فِی الْجَنَّةِ حَیْثُ شَاءَ تْ ، فَلَمَّا رَاَوْا حُسْنَ مَقِیْلِهِمْ وَمَطْعَمِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ قَالُوْا : یَا لَیْتَ قَوْمَنَا یَعْلَمُوْنَ مَا صَنَعَ اللّٰهُ لَنَا کَیْ یَرْغَبُوْا فِی الْجِهَادِ وَلَا یَنْکُلُوْا عَنْهُ ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : فَاِنِّیْ مُخْبِرٌ عَنْکُمْ وَمُبَلِّغٌ اِخْوَانَکُمْ فَفَرِحُوْا وَاسْتَبْشَرُوْا بِذٰلِكَ ، فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی : ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ ...... وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾(٢٥)

”حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب جنگ اُحد میں

تمہارے ساتھیوں کو شہادت نصیب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے بطون میں ڈال دیا جو جنت کی نہروں پر آئے' اس کے پھلوں سے کھایا اور جنت میں جہاں چاہا چلتے پھرتے رہے۔ جب انہوں نے اپنی شاندار آرام گاہوں' کھانوں اور مشروبات کو دیکھا تو پکار اٹھے: ''کاش ہماری قوم جان لے کہ اللہ نے ہم سے کیا خوب سلوک کیا ہے' تاکہ وہ جہاد میں رغبت کرنے لگیں اور اس سے پیچھے نہ ہٹیں۔ اللہ ربّ العزت نے (ان کی یہ گفتگو سن کر) فرمایا: میں تمہاری خبر بتائے دیتا ہوں اور تمہارے بھائیوں کو پہنچا دیتا ہوں جس سے وہ خوش ہو جائیں گے اور اسے بشارت جانیں گے۔ (نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ) یہ ہے اللہ ربّ العزت کا (وہ) فرمان: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝١٦٩ ...... وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٧١﴾ (آل عمران) [اور وہ لوگ جو راہِ خداوندی میں قتل کر دیے گئے تم انہیں مُردہ نہ جانو' بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے ربّ کے ہاں رزق دیے جا رہے ہیں ...... اور اللہ ایمان والوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔]''

سنت کی کتابوں میں دسیوں ایسی احادیث ہیں جن میں لفظ ''الجہاد'' قتال کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ مزید برآں بہت سے دوسرے الفاظ بھی جہاد کے معنی میں استعمال کیے گئے ہیں' جیسے الحرب' الغزو' القتال وغیرہ۔ یہ تمام اور ان جیسی بہت سی نصوص اس بات کی وضاحت کر دیتی ہیں کہ شریعت نے لفظ ''الجہاد'' کو عام لغوی معنی کے بجائے خاص معنی میں نقل کیا ہے اور وہ القتال فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں قتال اور اس کے متعلقات) ہے۔ جن مصادرِ شریعت میں جہاد کی تعریف قتال فی سبیل اللہ کی گئی ہے ہم اُن میں سے فقہ کی کتابوں کے چند اقتباسات پیش کیے دیتے ہیں' کیونکہ ان کتابوں میں جہاد کے شرعی معنی اور اس سے متعلق احکام کا تفصیلاً بیان ہے۔ مذہب حنفی کے مطابق صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

> ''جہاد لغوی اعتبار سے بھرپور کوشش کرنے کا نام ہے اور عرفِ شریعت میں یہ نفس' مال اور گفتگو کی طاقت و صلاحیت کو قتال فی سبیل اللہ میں لگانے کے لیے استعمال ہوتا ہے''۔ (۲۶)

مذہب مالکی کی جانب سے محمد علیش ''منح الجلیل'' میں رقم طراز ہیں:

> ''جہاد سے مراد یا تو کسی مسلمان کا اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر ایسے کافر سے قتال کرنا ہے جو صاحب عہد نہ ہو یا کسی مسلمان کا میدان میں اترنا یا یہ کہ کسی مسلمان کا قتال کی غرض سے کافر کے ملک میں داخل ہونا ہے''۔ (۲۷)

شافعیہ کے نزدیک جہاد کی تعریف کے متعلق صاحب ''الاقناع'' فرماتے ہیں: **الجہاد القتال فی سبیل اللّٰہ** یعنی جہاد اللہ کی راہ میں قتال کرنے کا نام ہے(۲۸)۔ اسی طرح امام شیرازی شافعی نے ''المہذب'' میں جہاد کا معنی ''القتال'' مقرر کیا ہے۔(۲۹)

حنابلہ کے مذہب کی تفصیل ابن قدامہ کی معروف تالیف ''المغنی'' میں ہے:

> ''کتاب الجہاد میں وارد ہونے والے تمام الفاظ الحرب (لڑائی) اور قتال العدو (دشمن سے لڑائی کرنا) کے معنی میں ہیں' خواہ وہ فرض عین کی نوعیت کا جہاد ہو یا فرضِ کفایہ کی۔ خواہ اس میں جہاد کی وہ صورت ہو جس میں مسلمانوں کی حفاظت کا انتظام کیا جاتا ہے یا پھر اُس کا تعلق سرحدوں کی دفاعی حکمت عملی یا حفاظت سے ہو۔ اسی لیے مشہور ہے: ''الرباط **اصل الجہاد وفرعه**'' کہ سرحدوں پر پہرہ دینا ہی جہاد کی اصل اور اس کی فرع ہے''۔(۳۰)

عرف عام میں جہاد کا مفہوم

عہد اسلام میں لفظ جہاد کا عرفی مفہوم اس کے لغوی معنی سے شرعی معنی کی طرف منتقل ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ اس لفظ سے مطلق طور پر صرف قتال کا معنی ہی سمجھا جانے لگا۔ اس طرح وضع عرفی اور وضع شرعی کا جہاد کے ایک معنی پر اتفاق ہو گیا ہے۔ وضاحت کی خاطر اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

١) **ان ابا عبيدة بن الجراح كتب الى عمر بن الخطاب يجيب على كتاب كان قد بعثه اليه :"سلام! اما بعد' فانّ اللّٰه تبارك وتعالٰى قال : ﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ...... الآية﴾ قال: فخرج (عُمَرُ) لكتاب ابى عبيدة' فقرأه على الناس فقال :يا اهل المدينة! انما كتب ابو عبيدة يعرض بكم' ويحثكم على الجهاد......** (٣١)

''حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کی طرف سے بھیجے گئے خط کا جواب ارسال فرماتے ہوئے لکھا ''السلام علیکم! اما بعد' پس بے شک اللہ ربّ العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ......الآية﴾ [دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ بس کھیل کود' زیب و زینت' باہمی تفاخر اور مال و اولاد میں زیادتی کا نام ہے۔] راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت

> ابوعبیدہؓ کے خط کو لے کر نکلے اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھا اور فرمایا: اے اہل مدینہ! ابوعبیدہ تم پر طعن کر رہے ہیں اور تمہیں جہاد پر ابھار رہے ہیں''۔

تو یہاں لفظ ''الجہاد'' کا معنی کہنے والے اور سننے والوں کے عرف میں قتال فی سبیل اللہ کے علاوہ کچھ نہیں۔

۲) **عن علی بن زید بن جدعان قال :قال ابو طلحة :﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ قال: کهولا وشبابا' قال :ما أری اللّٰه عذر احدًا' فخرج الی الشام فجاهد**(٣٢)

> ''حضرت علی بن زید بن جدعان نے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہؓ نے قرآنی الفاظ پڑھے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا [ہلکے ہو یا بوجھل (اللہ کی راہ میں) نکلو!] اور کہا ''بوڑھے ہو یا جوان''۔ نیز فرمایا: ''مجھے نہیں معلوم کہ اللہ نے کسی کو بریَ الذمہ قرار دیا ہو''۔ وہ شام کی طرف چلے گئے اور جہاد کیا''۔

تو یہاں راوی علی بن زید کا صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوطلحہؓ کے بارے میں یہ فرمانا کہ ''وہ نکلے اور جہاد کیا'' سے لفظ ''جہاد'' کے معنی ''اللہ کی راہ میں قتال کے لیے جانے'' کے سوا اور کوئی نہیں ہیں۔ جیسا کہ سیاق کا بھی تقاضا ہے۔

۳) **جاء رجل الی ابی موسی الاشعری فی المسجد فقال :یا عبد اللّٰه بن قیس! فسماه باسمه' فقال :أرأیتَ ان انا اخذتُ سیفی فجاهدتُ به ارید وجهَ اللّٰه فقُتِلتُ ' وانا علی ذلك ' این انا؟ قال :فی الجنة**(٣٣)

> ''ایک آدمی مسجد میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آیا تو اس نے ان کا نام لے کر کہا: ''اے عبداللہ بن قیس! آپ کا کیا خیال ہے' اگر میں اپنی تلوار لوں اور اس سے اللہ کی خوشنودی کے لیے جہاد کروں اور مارا جاؤں تو میں اس وجہ سے کہاں ہوں گا؟'' تو انہوں نے فرمایا: ''جنت میں''۔

یہاں بھی قول ''جَاهَدْتُ'' قتال کے معنی میں ہی ہے۔

ان دلائل کے ساتھ ہمارے لیے واضح ہو چکا ہے کہ الجہاد کا عرفی مفہوم عہد اسلام میں قتال' غزوہ' حرب اور وہ چیزیں جو ان کی دعوت دیتی اور ان کے لیے امداد مہیا کرتی ہیں' سے باہر نہیں۔

عرفِ خاص (اصطلاح) میں جہاد کا مفہوم

فقہ' حدیث' تفسیر اور سیرت کے علماء نے ان علوم میں لفظ الجہاد کا کوئی خاص اصطلاحی

مفہوم متعین نہیں کیا' بلکہ انہوں نے عرفی اور شرعی معنی یعنی قتال فی سبیل اللہ کو ہی بنیاد بنایا ہے۔ چنانچہ یہ علوم اسلامیہ جہاد کی اصطلاحی تعریف شرعی معنی کے اعتبار سے ہی کرتے ہیں۔

جہاد کی شرعی تعریف کے ضمن میں جو وضاحت گزر چکی ہے اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اصطلاحی تعریف وہ ہے جو قسطلانی نے بخاری کی شرح میں ذکر کی ہے:

قتالُ الکفارِ لنصرۃِ الاسلام واعلاءِ کلمۃِ اللّٰہ

''اسلام کی نصرت اور اللہ کے قانون کے غلبے کی خاطر کفار سے جنگ کرنا''۔(۳۴)

مندرجہ بالا بحث کے تناظر میں ہم خلاصۃً یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاد کے دو مفاہیم ہیں:

(۱) لغوی مفہوم: مدافعت میں دونوں طرف سے بھرپور قوت و طاقت خرچ کرنے کا نام جہاد ہے' خواہ یہ مخفی نوعیت کی ہی ہو۔

(۲) شرعی' عرفی' اصطلاحی مفہوم: تینوں اعتبار سے جہاد کا مفہوم ہے ''چند شرائط کے ساتھ اللہ کی راہ میں قتال کرنا''۔ لہٰذا جب بھی لفظِ جہاد شریعت میں مطلق طور پر استعمال کیا جائے تو حقیقی' شرعی' عرفی اور اصطلاحی حیثیت سے اس کا یہی دوسرا مفہوم سمجھا جائے گا۔ اس کا لغوی مفہوم صرف اس صورت میں سمجھا جائے گا جب کوئی قرینہ لفظی یا حالی کیفیت میں موجود ہو۔ نیز یہ مفہوم مجاز کے قبیل سے ہوگا' جیسا کہ حقیقت و مجاز کے تحت وضاحت گزر چکی ہے۔

جہاد کے مفاہیم کی مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث بھی قابل مطالعہ ہے:

((رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ)) قَالُوْا : وَمَا الْجِهَادُ الْاَکْبَرُ؟ قَالَ :((جِهَادُ الْقَلْبِ))۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ :((مُجَاهِدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ))(۳۵)

''ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہیں۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: حضور! جہادِ اکبر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''دل کا جہاد''۔ اور ایک روایت میں آپؐ نے فرمایا: ''بندے کا اپنی خواہشاتِ نفس کے خلاف جہاد کرنا''۔

اگر فرضی طور پر مان لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں پیغمبر کے قول ''الجہاد الاصغر'' سے مراد جہاد کا شرعی و عرفی مفہوم ہے اور ''الجہاد الاکبر'' سے مراد اُس کا لغوی مفہوم ہے۔ یہ مفہوم انسان کے اپنے قلب و نفس کی خواہشات سے مقابلہ کرنے اور اپنے نفس کو مطیع بنانے پر مشتمل ہے۔

جو چیز اس لغوی معنی کو مذکورہ حدیث کے مخاطبین کے ہاں مجاز ٹھہراتی ہے اور یہ وضاحت

کرتی ہے کہ یہاں شرعی معنی ہی اس لائق ہے کہ اسے حقیقی مفہوم گردانا جائے' وہ ایک تو یہ اصول ہے کہ حقیقی معنی وہ ہوتا ہے جس کی طرف بالبداہۃ ذہن مائل ہو جائے اور دوسری چیز میری رائے کے مطابق حضراتِ صحابہ ؓ کا جہادِ اکبر کے بارے میں سوال کرنا ہے' کیونکہ جس جہاد کے لیے وہ گھر سے نکلے تھے اور پھر فارغ ہو کر گھروں کی طرف رجوع کیے ہوئے تھے اور جس جہاد کے غبار سے ابھی اُن کے جسم اٹے ہوئے تھے' اس کا مفہوم تو وہ بخوبی سمجھتے تھے۔ یہ جہاد ''القتال'' کی تشریح میں ان کے ہاں شرعی اور عرفی طور پر معروف تھا۔ ان کے لیے باعث تعجب تو یہ تھا کہ جسے وہ اپنے تئیں اہل و عیال کی جانب واپسی کا سفر سمجھ رہے ہیں نبی ﷺ اسے ''جہادِ اکبر'' فرما رہے ہیں اور جہاد کا جو معروف مفہوم ان کے اذہان میں تھا اس کا اطلاق قطعی طور پر ان کی اس حالت پر نہ ہوتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ اگر لفظ غیر معروف تفسیر کا تقاضا کرے تو وہ اس کی مجازی تفسیر و تعریف ٹھہرتی ہے۔ گویا یہ تفسیر ہی مجازی معنی کے لیے لفظی قرینہ کی حیثیت رکھتی ہے' جیسا کہ ''الجہاد الاکبر'' کی تفسیر ''جہاد القلب'' (دل سے جہاد کرنا) یا ''مجاهدة العبد هواه'' (بندے کا اپنی خواہشات سے مجاہدہ کرنا) کر دی گئی جو کہ مجاز پر لفظی قرینہ ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ کے بعد گھروں کو لوٹنا مجازی معنی کے لیے قرینہ حالیہ ہو۔ اس طرح ان کا تفسیر طلب کرنا قرینہ حالیہ کو مزید پختہ کرنے کے لیے ہوگا۔

اس کے بعد یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ اگر ''المتبادر الی الذهن'' (ذہن کا پہلی ہی دفعہ میں مائل ہو جانا) کسی معنی کے لیے حقیقی ہونے کی بنیاد ہے' جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے۔ تو اُن نصوص کا کیا مفہوم ہے جن میں جہاد کا لفظ ایسی ترکیب میں استعمال کیا گیا ہے کہ ذہن اسے پڑھتے ہی مجازی معنی کی جانب چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں ''بِرّ الوالدین'' (والدین سے حسن سلوک) کے حوالے سے ایک روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں:

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ : اُجَاهِدُ، قَالَ : ((لَكَ اَبَوَانِ؟)) قَالَ : نَعَمْ، قَالَ : ((فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ))

چنانچہ ابن حجر ؒ نے کلمہ ''فَجَاهِدْ'' کی تفسیر لغوی اعتبار سے کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ لفظ ''الجہاد'' جب مطلق استعمال ہو تو اس کا معنی ''قتال العدو'' (دشمنوں سے قتال کرنا) ہے۔ پھر

فرماتے ہیں کہ جہاں تک نص ’’فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ‘‘ کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ’’**فان كان لك ابوان ما بلغ جهدك في برّهما والاحسان اليهما فان ذلك يقوم لك مقام قتال العدو**‘‘ یعنی اگر آپ کے والدین زندہ ہیں تو یہی زیادہ لائق ہے کہ آپ ساری محنت و کوشش ان کی خدمت اور حسن سلوک برتنے میں لگائیں۔ یہ عمل (اجر کے اعتبار سے) **قتال العدو** (دشمن سے جنگ) کے قائم مقام ہو جائے گا۔

حدیث میں اس لفظ کے مجازی استعمال کی توجیہہ امام صنعانیؒ نے کچھ یوں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ’’انسان کے نفس کا اپنے والدین کے فوائد اکٹھے کرنے میں مشقت اٹھانا‘ جو وہ چاہتے ہیں اسے مہیا کرنے کے لیے پریشانی کا سامنا کرنا اور ان کی ضروریات کے پورا کرنے میں مال کا خرچ کرنا‘ ان تمام امور کو نبی ﷺ نے جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ اسلوب ’’المشاكلة‘‘ کے قبیل سے ہے‘ جس کی تفصیل یہ ہے: آدمی نے چونکہ جہاد کی اجازت چاہی تھی اس لیے نبی ﷺ نے جواب میں جو صورت پیش کی وہ جہاد تو نہ تھی لیکن سوال کا اعتبار کرتے ہوئے بعض مناسبات کی وجہ سے اسے بھی ’’جہاد‘‘ کہہ دیا۔
>
> یہ اسلوب کلامِ خدا میں بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:
>
> ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ﴾ (الشوریٰ: ۴۰)
>
> ’’اور برائی کا بدلہ ہے برائی ویسی ہی‘‘۔
>
> یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دو متضاد چیزوں میں پائی جانے والی نسبت تضاد سے استعارہ ہو۔ اور وہ اس طرح کہ جہاد کے مفہوم میں ’’انزال الضرر بالاعداء‘‘ (دشمن کو نقصان پہنچانا) داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ متضاد مناسبت کی بنا پر اسے انزال النفع بالوالدین (والدین کو نفع دینا) کے معنی میں استعمال کر لیا گیا‘‘۔(۳۶)

جہاد کی شرعی تعریف کرنے کے بعد ضروری ہے کہ تمیز کی جائے کہ وہ جنگیں جو مسلمانوں میں رائج ہیں‘ خواہ وہ داخلی سطح کی ہوں یا خارجی سطح کی‘ جہاد کے زمرے میں آتی ہیں یا نہیں!

قتالِ داخلی کی بہت سی انواع ہیں جن کا مشاہدہ مسلم ممالک کی جماعتوں اور گروہوں کے درمیان ہونے والی لڑائیوں میں کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض انواع اُس قتال کی ہیں جو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانے والے گروہوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض اس کی ہیں جو مسلمان گروہوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان ذمّیوں کے خلاف لڑائی جو عہد توڑ چکے ہوں

اور مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر اتر آئے ہوں' بھی داخلی قتال کی اقسام میں شامل ہے۔ ان انواع کے حوالے سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کس قسم کو جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ دیا جا سکتا ہے تا کہ اس پر جہاد کے احکام جاری ہوں' اور کون سی قسم جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف پر پوری نہیں اترتی۔ اور ظاہر ہے پھر اس پر جہاد والے احکام بھی جاری نہ ہوں گے۔

قتال داخلی کی طرح خارجی کی بھی بہت سی انواع ہیں جن کے اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی بہت سے اہداف ہوتے ہیں اور بسا اوقات اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہی نہیں' صرف دیگر مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں۔

بہرحال وہ کون سے مقاصد ہیں جن کی خاطر کیے جانے والے قتال کو شرعی طور پر شرفِ جہاد بخشا جا سکتا ہے اور کون سے مقاصد یہ استحقاق نہیں رکھتے؟ تو فقہاء نے معروف جہاد کے علاوہ قتال کی بہت سی اقسام بیان کی ہیں اور ان میں سے بعض کو ''**حروب المصالح**''(۳۷) کا عنوان دے کر ان کے تحت **قتال اهل الردة** (مرتدین سے قتال)' **قتال اهل البغی** (باغیوں سے قتال) اور **قتال المحاربین** (دہشت گردوں سے قتال) کا تذکرہ کیا ہے۔

تاہم میں نے جہاد کی اس کے غیر سے اچھی طرح وضاحت کے لیے فقہ' حدیث' سیرت اور تاریخ اسلامی کی کتابوں کو کھنگالا تو قتال کی مزید انواع بھی سامنے آئیں۔ ان میں سے بعض کو لفظ ''الجہاد'' کے تحت درج کیا گیا ہے' بعض کے متعلق آراء مختلف ہیں اور بعض جہاد سے دُور کا بھی واسطہ نہیں رکھتیں۔

جلد ہی قتال کی ان انواع پر ہم روشنی ڈالیں گے تا کہ وضاحت ہو جائے کہ کون سی قسم جہاد کے باب سے نسبت رکھتی ہے اور کس کا تعلق غیر جہاد سے ہے۔

لیکن میں حروب المصالح جیسی انواع کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کروں گا' کیونکہ فقہ اسلامی کی کتابوں میں ان پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ اس کے علی الرغم قتال کی بعض انواع پر میں نے ان کی عصر حاضر میں اہمیت کے پیش نظر طویل بحث کی ہے' اور یہ بحث اس لیے بھی ضروری ہے کہ قدیم مراجع میں ان انواع کی طرف خاص توجہ نہیں دی گئی۔

قتال کی وہ انواع جن کی تحقیق و دراسہ ہم ضروری سمجھتے ہیں' ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) **قتال اهل الردة** (مرتدین سے قتال)

(۲) **قتال اهل البغی** (باغیوں سے قتال)

(۳) قتال المحاربين (دہشت گردوں سے قتال)

(۴) القتال لدفاع عن الحرمات الخاصة

(۵) القتال لدفاع عن الحرمات العامة

(۶) القتال ضد انحراف الحاكم

(۷) قتال الفتنة

(۸) قتال مغتصب السلطة

(۹) قتال اهل الذمة

(۱۰) قتال الغارة من اجل الظفر بمال العدو

(۱۱) القتال لاقامة الدولة الاسلامية

(۱۲) القتال من اجل وحدة البلاد الاسلامية

(قتال کی ان تمام انواع پر مفصل بحث جاری ہے۔)

حواشی

(١) اصول الفقه الاسلامی لدکتور وهبة الزحيلی ٢٩٢/١۔

(٢) ارشاد الفحول ' الشوکانی ٢٠۔

(٣) اصول الفقه محمد ابوالنور زهير ٥٢/٢۔

(٤) اصول الفقه محمد ابوالنور زهير ٩٣/٢۔

(٥) الاحکام فی اصول الاحکام' الآمدی ٢٧/١ اور الفروق للقرافی ٨٥/٣۔

(٦) اصول الفقه' محمد ابوالنور زهير ٥٢/٢

(٧) اجابة السائل بشرح بغية الآمل للصنعانی' ص ٢٦٢۔ واصول الفقه الاسلامی الزحيلی' ٢٩٣/١۔

(٨) مسند احمد بن حنبل ٤٩٨/٣۔ وابوداؤد' ح ٥١٤٢۔ وابن ماجه' ح ٣٦٦٤۔

(٩) القاموس المحيط للفيروزبادی' مادة : جهد۔

(١٠) لسان العرب لابن منظور' مادة : جهد۔

(١١) المنجد ' مادة : جهد

(١٢) القسطلانی علی البخاری ٣٠/٥۔

(١٣) تفسير النيسابوری ١٢٦/١١۔

(١٤) بدائع الصنائع، لکسائی ٩٧/٧۔

(١٥) شذ العرف فی فن الصرف للحملاوی، ص ٤٣۔

(١٦) لسان العرب لابن منظور، مادة جهد۔

(١٧) تفسیر شوکانی ١٩٣/٤۔

(١٨) حاشیة الجمل علی الجلالین ٤٤١/٣۔

(١٩) القاموس الفقهی سعدی بن ابو حبیب ٧١۔

(٢٠) تفسیر نیشا پوری ١٢٦/١٠۔

(٢١) حاشیه ابن عابدین ٣٣٦/٣۔

(٢٢) مغنی المحتاج للشیخ محمد الشربینی الخطیب شرح المنهاج للنووی ٢٢٣/٤۔

(٢٣) مصنف ابن ابی شیبه ٢٨٧/٥۔ وصحیح البخاری، ح ٢٧٨٧۔ وصحیح مسلم، ح ١٨٧٨۔

(٢٤) مسند احمد مع تخریج احمد شاکر ٥١/١١۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی
٩/٤۔ قال الالبانی : اسناده صحیح علیٰ شرط مسلم۔

(٢٥) مصنف ابن ابی شیبه ٢٥/٥۔ والحاکم۔ والترغیب والترهیب ١٣٦/٢۔ وابوداوٗد، ح ٢٥٢٠۔

(٢٦) بدائع الصنائع للکاسانی ٩٧/٧۔

(٢٧) منح الجلیل مختصر سیدی خلیل للشیخ محمد علیش ١٣٥/٣۔

(٢٨) حاشیه البجیرمی ٢٢٥/٤۔

(٢٩) المهذب ٢٢٧/٢۔

(٣٠) المغنی لابن قدامه ٣٧٥/١٠۔

(٣١) مصنف ابن ابی شیبه ٣٣٥/٥۔

(٣٢) مصنف ابن ابی شیبة ٣٤١/٥۔

(٣٣) مصنف ابن ابی شیبه ٣٤٢/٥۔

(٣٤) القسطلانی ٣٠/٥۔

(٣٥) الاسرار المرفوعة ملا علی قاری، ص ١٢٧، ح ٤٨٠، ٤٨١۔ سلسلة الاحادیث الضعیفة
للالبانی، ح ٢٤٦٠۔ محدثین نے اس حدیث کو انتہائی ضعیف اور منکر قرار دیا ہے۔

(٣٦) سبل السلام للصنعانی ٤٢/٤۔

(٣٧) الاحکام السلطانیة للماوردی۔

◆ ◆ ◆

توضیح وتنقیح

عقیدۂ ابنیت مسیح علیہ السلام حقائق کی روشنی میں

محمد شوکت ایاز علی ☆

عیسائی دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا خیال کرتی ہے اور اس عقیدہ کا اظہار ان کی تعلیمات اور گفتگو کا جزوِ لاینفک اور روحِ رواں ہے۔ ہم ذیل میں اس عقیدہ کا علمی اور تحقیقی سطح پر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

عقیدۂ ابنیت اور قرآن مجید

اس سلسلہ میں خدا کی آخری، کامل، دائمی اور لاتبدیل کتاب قرآن مجید کے دو دعوے ہیں۔ ایک یہ کہ:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا......﴾ (بنی اسراء یل:۱۱۱)

''آپ اعلان فرما دیجیے کہ تمام تعریف اس ذات الٰہی کے لیے ہے جس نے کوئی بیٹا نہیں بنایا ہے۔''

دوسرا دعویٰ یہ کہ:

﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ (التوبۃ:۳۰)

''یہ بات (کہ عزیرؑ یا مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے) ان کے منہ کی ہے (خدا نے نہیں فرمائی) وہ اپنے سے پہلے کافروں کی اتباع اور نقل کر رہے ہیں۔''

قرآن مجید نے ابن اللہ کے عقیدہ کو نہایت قبیح اور ناقابل برداشت گناہ اور کفر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۝ اَنْ

☆ سابق سیکرٹری جنرل پاکستان کرسچین ایسوسی ایشن۔

دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾﴾ (مریم)

’’قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کا بیٹا قرار دیا ہے، حالانکہ خدائے رحمٰن کے شایانِ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے‘‘۔

اس سلسلہ میں ایک جگہ فرمایا:

﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾﴾ (الکھف)

’’ان کو اس کے متعلق کوئی علم نہیں اور نہ ان کے آباء واجداد کو۔ بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے، یہ محض جھوٹ کہتے ہیں۔‘‘

الغرض قرآن مجید میں اس غلط نظریہ کی نہایت مذمت کی گئی ہے، اسے شدید کفر قرار دیا گیا ہے اور متعدد مقامات پر نہایت اہتمام سے اس کی تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۃ الکہف کے شروع میں نزولِ قرآن کا مقصد دو چیزوں کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو ہر خطا کار اور مجرم کو بُرے انجام سے آگاہ کرنا اور دوسرے ان لوگوں کو متنبہ اور آگاہ کرنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے۔

بائبل اور عقیدۂ ابنیت

انجیل مروّجہ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سے بھی اس عقیدہ کی واضح نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریباً سو مرتبہ اپنے متعلق ابن آدم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لہٰذا اگر آپؑ واقعی خدا کے بیٹے ہوتے تو آپ کبھی یہ لقب (ابن آدم، ابن انسان) استعمال نہ کرتے، یا کم از کم دو چار مرتبہ ہی اپنے لیے لفظ ’’ابن اللہ‘‘ استعمال فرما کر اس عقیدہ کا اظہار فرما دیتے۔

حضرتِ مسیح علیہ السلام کا ذاتی اقرار

انجیل متی میں لکھا ہے کہ:

’’جب یسوع قیصریہ فلپی کے علاقے میں آیا تو اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابنِ آدم کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں، بعض ایلیا، بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی۔ اس نے ان سے کہا مگر تم مجھے کیا کہتے ہو؟ شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے‘‘۔ (متی:۱۶:۱۳تا۱۶)

ملاحظہ فرمائیں کہ مسیح علیہ السلام نے خود کو ابنِ آدم کہہ کر حواریوں سے سوال کیا ہے، یعنی اپنی حقیقت ظاہر کر کے پوچھا ہے کہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ تو حواریوں نے انسان ہی میں سے کسی نبی کا نام لیا ہے۔ مگر آخر میں پطرس نے آپؑ کے بارے میں کہہ دیا کہ تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ مگر یہ بات ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ یہاں پطرس کے جواب میں انجیل نویسوں نے تبدیلی کر دی ہے، اس لیے کہ مسیح تو خود اپنے آپ کو ابن آدم کی حیثیت میں قرار دے کر سوال فرما رہے ہیں تو پھر ابن آدم ابنِ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز یہی سوال و جواب انجیل مرقس اور لوقا نے بھی نقل کیا ہے، مگر وہاں پطرس کا جواب یوں نقل کیا گیا ہے کہ:

''پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ تو مسیح ہے''۔ (انجیل مرقس ۸:۲۹)

ایسے ہی تیسری انجیل لوقا میں ہے:

''پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح'' (لوقا۹:۲۰)

ناظرین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ اصل حقیقت یہاں پر منکشف ہوگئی ہے کہ دونوں انجیل نویسوں نے پطرس کا جو جواب نقل کیا ہے وہ خود مسیح کے اقرار و اعلان کے عین مطابق ہے، کیونکہ مسیح نے بھی اپنے آپ کو ابنِ آدم کہہ کر سوال کیا تھا، اور پطرس نے بھی یہی کہا کہ تو خدا کا مسیح یعنی اس کا برگزیدہ ہے، خدا کا بیٹا نہیں کہا۔ یہ لفظ عیسائی علماء کی غلطی یا تحریف کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اس طرح جواب سوال کے مطابق نہیں رہتا۔ نیز سب سے پہلی انجیل مرقس ہے، جس سے اخذ کر کے متی حواری نے اپنی انجیل مرتب کی تھی۔ تو جب اصل ماخذ میں خدا کے بیٹے کا لفظ نہیں ہے تو ناقل نے اسے کہاں سے لے لیا؟ لہٰذا یہی حقیقت ہے کہ یا تو مرتب انجیل کو غلطی لگ گئی، یا پھر اس نے جان بوجھ کر یہ اضافہ کیا ہے یا پھر بعد کے کسی کاتب یا پادری کی کارستانی ہے۔ اور ایسی کارستانیاں اناجیل میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

''ابنِ خدا'' کا لفظ اور یونانی متن

(۱) انجیل مرقس اردو مطبوعہ ۱۹۰۸ء و ۱۹۲۴ء کے شروع میں لکھا ہے کہ: ''خدا کے بیٹے یسوع مسیح کی خوشخبری کا شروع''۔ مگر نیچے اس پر حاشیہ دے کر لکھا ہے کہ یونانی میں ''خدا کے بیٹے'' کا لفظ نہیں ہے۔ (۱) تو جب اصل یونانی میں نہیں تو پھر ترجمہ میں کہاں سے آ گیا؟

---

(۱) اسی طرح نیو امریکن بائبل میں یہ لفظ (خدا کا بیٹا) بریکٹ میں درج ہے۔ نیو ورلڈ ٹرانسلیشن میں یہ لفظ سرے سے درج ہی نہیں۔ ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن، نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن، دی نیو انگلش بائبل، گڈ نیوز بائبل اور نیو انٹرنیشنل ورشن کے متن میں یہ لفظ درج ہے، مگر حاشیہ میں اس کی نفی کی گئی ہے۔

چنانچہ یہی حقیقت پادری برک ہاف بی۔ ڈی صاحب منکشف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ’’یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اردو ترجمہ کرنے والوں نے کیونکر ابن آدم کے لیے اور خدا کے بیٹے کے لیے ایک ہی طریقے کا محاورہ استعمال نہ کیا؟ یونانی محاورے بالکل ایک دوسرے کے مطابق ہیں، اردو میں بھی ایک ہی محاورہ استعمال کرنا چاہیے تھا۔ وہاں ابنِ آدم یہاں ابن خدا یا ابن اللہ!‘‘ (مسیحی علمِ الٰہی کی تعلیم، ص ۲۲۸ مطبوعہ لاہور)

ناظرین کرام! مندرجہ بالا اقتباس کیسی وضاحت سے اصل حقیقت سے پردہ اٹھا رہا ہے کہ یونانی متن میں یہ لفظ نہیں ہے، یہ اردو ترجمہ کرنے والوں نے ستم ڈھایا ہے۔

(۲) انجیل یوحنا میں لکھا ہے کہ:

> ’’یسوع نے سنا کہ انہوں نے اسے باہر نکال دیا اور جب اس سے ملا تو کہا کیا تو خدا کے بیٹے پر ایمان لایا ہے؟‘‘ (یوحنا۹: ۳۵) مگر اس آیت پر فٹ نوٹ دے کر لکھا ہے کہ: ’’یونانی میں (خدا کے بیٹے کی جگہ) ’ابن آدم‘ ہے‘‘۔

اب فرمائیے کہ یہ لوگ کیسے عوام کو دھوکا دیتے ہوئے انجیل میں ردّ و بدل کر رہے ہیں! پھر ہمیں کہتے ہیں کہ انجیل شریف میں یسوع کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، جبکہ وہاں ایسا نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ جب اتنے مقامات پر ان کا راز فاش ہو گیا، جعل سازی ثابت ہو گئی تو باقی کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے؟ لہٰذا معلوم ہو گیا کہ یہ عقیدہ اصل انجیل کا نہیں بلکہ بعد میں گھڑا گیا ہے۔ جب خود مسیحؑ نے تقریباً سو مرتبہ لفظ ابنِ آدم استعمال کیا ہے تو ہم صرف بعض پادریوں کے کہنے پر کیسے ان کو خدا کا بیٹا مان لیں؟ اور کسی کو کیا حق ہے کہ ہم پر یہ جعلی عقیدہ ٹھونسنے کی کوشش کرے؟ اور جب ہم نے انجیل میں اس لفظ کے متعلق عیسائیوں کی جعل سازی ثابت کر دی کہ انہوں نے خود ابن آدم کی جگہ ابن خدا بنا لیا ہے، اصل یونانی متن میں نہیں ہے (۱) تو اب بتلائیے کہ اس جعلی عقیدے کو ہمارے سامنے کیوں پیش کرتے ہیں؟

(۳) اسی طرح اعمال ۸: ۳۷ جعلی ہے۔ پادری ولیم جی ینگ صاحب (ایم اے۔ بی ڈی۔ پی ایچ ڈی) تحریر کرتے ہیں کہ:

> ’’غالباً کلیسیا کا پہلا عقیدہ یہ تھا کہ یسوع مسیح خداوند (آقا جناب) ہے (رومیوں۱۰: ۹، کرنتھیون اوّل۱۲: ۳، کرنتھیوں دوم۴: ۵) اور کچھ عرصہ کے بعد یہ کہ

---

(۱) پادری لوئیس برک ہاف بی ڈی لکھتے ہیں کہ ’’یونانی میں ابن آدم مذکور ہے لیکن اردو ترجمہ کرنے والوں نے ابن خدا لکھ دیا ہے، اگر ہم لفظ بیٹا استعمال نہ کرتے تو مجھے یقین ہے کہ اس بات کا سمجھنا اتنا مشکل نہ ہوتا‘‘۔ (مسیحی علم الٰہی کی تعلیم، ص ۲۲۸ مطبوعہ لاہور)

میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے (اعمال ۸:۳۷) —— یہ آیت ۸:۳۷ سب سے قدیم نسخہ جات میں موجود نہیں اور علماء کا خیال یہ ہے کہ کسی کاتب نے نسخہ کے نقل کرتے وقت اس عقیدہ کو شامل کیا جو وہ خود استعمال کرتا تھا'' (کتاب ''رسولوں کے نقش قدم پر'' از پادری ولیم جی ینگ' ص ۲۱۸ مطبوعہ لاہور)

ناظرین کرام! ذرا بغور ملاحظہ فرمائیں کہ کیسی وضاحت سے پادری صاحب نے اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ابتدا میں ابنیت کا عقیدہ ہی نہ تھا بلکہ پہلے مسیحؑ کو صرف خداوند یعنی جناب اور آقا سمجھتے تھے' پھر بعد میں کہیں جا کر کسی نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے' اس کے بعد اسی عقیدہ کے کسی فرد نے اس عقیدہ کی تائید میں ایک آیت بھی گھڑ کر اپنے کلام مقدس میں شامل کر دی۔ یاللعجب!

ملاحظہ فرمائیں ان لوگوں کی دیدہ دلیری کہ اپنے من گھڑت عقائد کی تائید اور اثبات کے لیے از خود آیات بنا بنا کر انجیل میں شامل کرتے رہے۔ پھر صرف یہی ایک آیت نہیں بلکہ بندہ نے ان کی چند مختلف بائبلز کا موازنہ کر کے تین صد ستر آیات کا جعلی اور الحاقی ہونا ثابت کر دیا ہے' جن کی روشنی میں ان کے بعض مرکزی عقائد ختم ہو جاتے ہیں۔ جیسے یوحنا ۵:۷ آیت انہوں نے تثلیث کے ثبوت میں گھڑ کر شامل کی ہے' اگرچہ اب اس کو نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ اعمال ۸:۳۷ قدیم نسخوں میں موجود ہی نہیں' مگر میرے پاس موجود نسخوں میں سے یہ آیت ۱۸۷۰ء کے نسخے میں بلا بریکٹ مع نمبر موجود ہے' پھر اس کے بعد اردو ترجمہ سے نکال دی گئی' مگر اب پھر اردو تراجم میں اس آیت کو بریکٹ میں داخل کر دیا ہے۔ جبکہ عربی بائبل میں اب بھی ۱۸۷۰ء کے نسخے کی طرح بلا بریکٹ ہی درج ہے۔ بعض بائبلز میں بریکٹ میں ہے اور بعض میں نمبر موجود مگر الفاظ ہیں۔ اس کی پوری بحث میرے مسودہ میں موجود ہے۔

''خدا کا بیٹا'' درآمدی اصطلاح ہے

پادری خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اصطلاح غیر اسرائیلی ہے۔ پہلی قوموں کے قصہ کہانیوں سے تراشی گئی ہے۔ (دیکھئے قاموس الکتاب' کالم ۲' ص ۶۱ ۳' مطبوعہ لاہور)

فرمایئے قرآنی دعویٰ کیسے دلائل اور براہین سے ثابت ہو گیا! اس سے انکار نہیں کہ فی زمانہ بائبل میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مگر اسی بائبل میں وہ حقائق بھی اظہر من الشمس ہیں جن کو مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے' لہٰذا اس دوسرے پہلو کا جائزہ لینا بھی لازمی ہوگا۔

''خدا کے بیٹے'' کی اصطلاح کی حقیقت

انجیل یوحنا میں لکھا ہے کہ:

> ''جو اس کے نام پر ایمان لاتے ہیں وہ نہ خون سے' نہ جسم کی خواہش سے' نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے''۔ (باب اوّل' آیت ۱۲و۱۳)

یعنی ہر وہ انسان جو خدا پر ایمان لائے وہ خدا کا بیٹا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے:

> ''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں' کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے''۔ (متی ۵:۹)

حاصل کلام یہ ہوا کہ خدا پر ایمان لا کر اس کی مرضی پر چلنے والے خدا کے بیٹے یعنی محبوب ہیں۔ گویا بیٹا محبوب اور پیارے کے معنی میں ہے۔ تو اس لحاظ سے حضرت مسیحؑ کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی۔ جیسے وہ خدا کا محبوب اور پیارا ویسے ہی ہر ایک صالح مؤمن خدا کا بیٹا کہلا سکتا ہے۔ ''جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے' اس کے ساتھ ایک روح ہوتا ہے''۔ (کرنتھ ۶:۷) ''اس لیے کہ پاک کرنے والا اور پاک ہونے والے سب ایک ہی اصل سے ہیں' اسی باعث وہ انہیں بھائی کہنے سے نہیں شرماتا''۔ (عبرانیوں ۲:۱۱) یعنی سب آدم کی اولاد اور انسان ہیں' ان میں سے کوئی بھی خدا یا اس کا بیٹا نہیں ہے۔ مسیحؑ نے سب مؤمنوں کو اپنا بھائی کہا ہے تو جیسے مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے ویسے ہی اس کے تمام بھائی (مؤمن) بھی خدا کے بیٹے کہلائیں گے' لہٰذا اگر مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو تو اس کے تمام بھائیوں کو بھی خدا کا بیٹا کہو۔

کون کون ''خدا کا بیٹا'' ہے؟

(۱) آدمؑ خدا کا بیٹا (لوقا ۳:۲۸)
(۲) حضرت سلیمانؑ خدا کا بیٹا (سلاطین اوّل ۲۲:۹' ۲۸:۱)
(۳) اسرائیل خدا کا پہلوٹھا (خروج ۴:۶)
(۴) تمام مفتی اور قاضی خدا کے بیٹے (زبور ۸۲:۶)
(۵) فرشتے خدا کے بیٹے (کتاب ایوب ۱:۶ و ۳۸:۱۷' دانیال ۳:۲۸)
(۶) تمام یہودی خدا کے بیٹے (کتاب استثنا ۱۴' خط رومیوں ۹:۴)
(۷) سب یتیم خدا کے بیٹے (زبور ۶۸:۵)
(۸) حضرت داؤد خدا کا اکلوتا (زبور ۸۹)
(۹) ابراہ خدا کا پہلوٹھا (یرمیاہ ۳۱:۹)
(۱۰) تمام نیک لوگ خدا کی نسل (اعمال ۱۷:۲۹)

(۱۱) حتیٰ کہ ایک جگہ نافرمانوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے (یسعیاہ ۱:۳۰)

ناظرین کرام! ملاحظہ فرمایئے کہ اس لفظ کا استعمال کتنا عام ہوا ہے، مگر یہ سب مجازی معنوں میں ہے۔ لہٰذا اگر مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو تو سب کو کہو، اس کی کوئی تخصیص نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ سب سے زیادہ محبوب ہے، لہٰذا وہ اکلوتا بیٹا یعنی زیادہ پیارا ہے تو مندرجہ بالا حوالہ جات میں دیکھئے کہ کئی اور افراد، مثلاً ابراہیمؑ اور داؤدؑ کو بھی اکلوتا کہا گیا ہے۔ تو اگر دوسرے افراد کے متعلق یہ اصطلاح اور لقب جاری نہیں ہوا اور نہ تم اب کرتے ہو تو مسیحؑ کے متعلق یہ لفظ کیسے استعمال ہو سکتا ہے؟

مزید وضاحت

انجیل یوحنا میں لکھا ہے کہ جب یہود نامسعود نے مسیحؑ پر اعتراض کیا کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ کیا تمہاری شریعت میں ان لوگوں کو خدا نہیں کہا گیا جن کے پاس خدا کا کلام آیا؟ یعنی نبیوں کو بوجہ نزولِ وحی و کلام کے مجازاً خدا کہا گیا ہے۔ (زبور ۶:۸۲، انجیل یوحنا ۴۳:۱۰)

ناظرین کرام! یہ ہے مسئلہ کی اصل صورت جس کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے عیسائی علماء اور عوام خواہ مخواہ اس مسئلہ کو ناحق اس طرح اچھالتے اور دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صراطِ مستقیم نصیب فرمائے، آمین!

پھر توجہ فرمایئے کہ جب مسیحؑ کے علاوہ ہر ایک مؤمن کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، تمام یہود کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، آدمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور ابراہیمؑ کو خدا کا بیٹا بلکہ بعض کو اکلوتا بیٹا کہا گیا ہے تو پھر تم ان بزرگوں کو اس لقب سے یاد کیوں نہیں کرتے جیسے ان کے متعلق بیٹا کا لفظ استعمال ہوا ہے؟ مگر تم ان کو خدا کا بیٹا نہیں کہتے۔ اسی طرح مسیحؑ کا بھی معاملہ سمجھ لیجیے۔ ان کو بھی نہیں کہنا چاہیے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بقول مسیحؑ تمام نبیوں کو خدا کہا گیا (یوحنا ۳۴:۱۰) موسیٰؑ کو ہارونؑ کے لیے بمنزلہ خدا کہا گیا ہے (خروج ۲۲:۴) مگر تم نے کبھی ان کو خدا کے لقب سے یاد نہیں کیا تو پھر خاص مسیح کو خدا کے بیٹے کے لقب سے کیوں یاد کرتے ہو؟ وجہِ فرق بتلایئے! یا تو سب کو کہو یا پھر مسیح کو بھی نہ کہو۔

تمام انسان بوجہ اولادِ آدمؑ ہونے کے بھائی بھائی ہیں۔ ہر انسان دوسرے کا بھائی ہے چاہے وہ اس کا باپ ہو یا بیٹا۔ اس طرح ہر عورت بہن ہے چاہے وہ ماں ہو یا بیٹی۔ اگرچہ یہ حقیقت مسلم ہے مگر باوجود اس کے کبھی کسی انسان نے اپنے باپ کو بھائی نہیں کہا، اپنے بیٹے کو

بھائی نہیں کہا، کبھی کسی نے اپنی ماں یا بیٹی کو بہن نہیں کہا جب کہ واقع میں یہ اس کی ماں یا بیٹی مندرجہ بالا لحاظ سے بہن ہی ہے، مگر عام استعمال نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی یہ مسئلہ بھی سمجھ لیجیے کہ اگرچہ بائبل میں مسیح کے لیے لفظ خدا کا بیٹا استعمال ہوا ہے مگر بوجہ اشتباہ کے عام محاورہ میں استعمال نہیں کریں گے۔

نیز مسیحؑ نے تو تمام انسانوں کو بھائی بھی کہا ہے (عبرانیوں ۲:۱۱) تو آپ لوگ ان کو بھائی کیوں نہیں کہتے؟ خدا کا بیٹا کیوں کہتے ہیں؟ گویا ایک حقیقت کے ثابت ہونے پر بھی اس کا عام محاورتی استعمال درست نہ ہوگا چہ جائیکہ ایک غیر ثابت شدہ اور مشتبہ بات کو اتنا عام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ تمام اولادِ آدم کو حقیقت سمجھنے اور اسے اپنانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین ثم آمین!)

سنتِ رسول ﷺ کے مطابق چہرے کی تزئین کی اہمیت کے بارے میں
ایک مختصر مگر جامع تحریر
داڑھی کیوں؟
از قلم : حافظ خالد محمود خضر
(نظرثانی شدہ ایڈیشن)
❁ عمدہ طباعت ❁ صفحات: 20 ❁ قیمت: 15 روپے
مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501
email : maktaba@tanzeem.org
website : www.tanzeem.org

تعارف وتبصرہ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نام کتاب : اردو کا دینی ادب

مصنف : پروفیسر ہارون الرشید

ضخامت : 360 صفحات ۔ قیمت : 350 روپے

ملنے کا پتہ: بدر بک سنٹر' اردو بازار' کراچی

اردو زبان دینی ادب کے ساتھ مالا مال ہے۔ سینکڑوں اردو دان اصحابِ علم وفضل نے دینی موضوعات پر اردو' انگریزی اور عربی زبان میں بیش قیمت اور قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ پروفیسر ہارون الرشید کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس ضمن میں اہم معلومات اس کتاب میں یکجا کر دی ہیں۔ گراں قدر تحقیق اور علمی معلومات پر مشتمل اس کتاب کو ریفرنس بک کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

مصنف نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ تین ابواب پر مشتمل ہے جن میں دینی ادب کے آغاز وارتقاء' اس کی وسعتیں اور عہد حاضر کے دینی ادب پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں درج ذیل موضوعات پر مشتمل پانچ ابواب ہیں:

باب اول : اکابر اہل قلم   باب دوم : ممتاز مصنفین
باب سوم : عہد ساز مصنفین   باب چہارم : محققین
باب پنجم : دورِ حاضر کے معروف اہل قلم

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے بڑی محنت اور جدوجہد سے اہم معلومات اکٹھی کی ہیں۔ کوئی قابل ذکر اہل قلم' مصنف' مقرر اور محقق ایسا نہیں ہے جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ پھر ہر علمی شخصیت پر نہایت متوازن اور معتدل انداز میں حقائق پر مبنی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ بلند پایہ اہل قلم اور محققین میں سرسید احمد خان' ڈپٹی نذیر احمد' محمود احمد عباسی' غلام احمد پرویز اور حبیب الرحمن کاندھلوی کے افکار ونظریات کا بھی حقیقت پسندانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ الغرض مصنف نے حق بحق دار رسید کے مصداق بڑی جامعیت کے ساتھ موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

کیا آپ کو قیامِ نظامِ خلافت میں دلچسپی ہے؟

یقیناً ہوگی! —— تو پھر آپ ضرور یہ جاننا چاہیں گے کہ:

- نظامِ خلافت کیا ہے؟
- یہ کن بنیادوں پر قائم ہوگا؟
- عہدِ حاضر میں نظامِ خلافت کا دستوری‘ قانونی‘ معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ کیا ہوگا؟
- اس کے قیام کے لیے سیرتِ نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کون سا ہے؟
- نظامِ خلافت کے قیام کے ضمن میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟
- نظامِ خلافت برپا کرنے کے لیے کس نہج پر کوشش کرنا ہوگی؟

ان تمام سوالات کے جامع‘ واضح اور مدلل جوابات پر مشتمل ایک بیش قیمت علمی دستاویز

خلافت کی حقیقت
اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

بانیٔ تنظیمِ اسلامی و داعیٔ تحریکِ خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کے چار خطبات کا مجموعہ

۞ سفید کاغذ ۞ عمدہ طباعت ۞ صفحات 212

قیمت (اشاعت خاص) 120 روپے (اشاعت عام) 60 روپے

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجیے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجیے

شائع کردہ: **مکتبہ خدام القرآن لاہور**
36۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 5869501-3
email : maktaba@tanzeem.org